

۳۹۷۷۷

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED
مقدمہ فلسفہ ال محمد

Checked
1987



مصنفہ
علامہ تید ابن حسن صاحب تلبہ رضوی جارجوی

CHECKED 1987

انتساب

Checked
1987

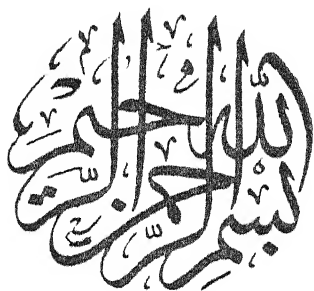
میں اس کتاب کو
 مہر سپہر سیاست و ریاست
 راجہ محمد امیر احمد خان صاحب بہادر
 والی ریاست محمود آباد کے نام
 سے معنون کرنے کا شرف
 حاصل کرتا ہوں۔

CHECKED 1995

خاکسار

مصنف

16/10/95



مقدمہ

متمدن اور مہذب دنیا سے دور، حجازی عرب مغربی ایشیا کے اس تپتے ہوئے خطہ میں رہتے تھے جو فطرت کی فیاضیوں سے بہت کم بہرہ مند تھے، یہ اپنی بھیڑوں اور اونٹوں کو لٹے ہوئے ادھر ادھر گھوما کرتے تھے، جہاں کوئی چشمہ نظر آجاتا وہاں چند دن خیمہ انداز رہتے، جب مویشیوں کے لئے چارہ ختم ہونے لگتا تو دوسرے چشمے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے۔ وسیع و عریض ریگستان کے درمیان کہیں کہیں سرسبز نخلستان بھی ہیں، یہاں کچھ قبائل مل جل کر رہتے اور اپنے شیوخ کی زیر نگرانی تمدن کے ابتدائی مراحل طے کرتے، بڑے بڑے شہروں کا اس خطہ میں نام و نشان بھی نہ تھا، لے دے کے تین بستیاں تھیں جن کو بمشکل شہر کہہ سکتے تھے (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) طائف

یہ تھا وہ ملك جہاں سے دنیا کی سب سے بڑی اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا ، اس تحریک کی بنیاد نہ روم و یونان کی فلسفیانہ موشگافیوں پر تھی ، نہ یہود و نصاریٰ کی جنگ عقائد پر ، مذہبی ، سیاسی اور اقتصادی کشمکش کی وجہ سے دنیا فطرت سے جو سرچشمہ ہدایت ہے بہت دور ہٹ گئی تھی : اسلام اس بھولے ہوئے پیغام کو دھرانے اور مٹے ہوئے نظام عمل کو زندہ کرنے کے لئے آیا تھا (فاقم وجهك للدين حنیفا فطرت اللہ الہی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ) اس دین فطرت کی تبلیغ و تعمیل کے لئے عرب سے بہتر کون سا ملک ہو سکتا تھا کہ یہاں کی زندگی فطرت سے بہت قریب تھی اور نام نہاد تہذیب و تمدن نے ابھی یہاں کے باشندوں کے قلوب کو کلیتہً مسخ نہیں کر دیا تھا۔ حریت ، مساوات اور اخوت کا وجود وسیع پیمانہ پر نہ سہی محدود ہی طور پر سہی مگر موجود ضرور تھا : قبائل ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہوں ، ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوں مگر آپس میں مل جل کر رہتے اور اپنے افراد کو مرتبہ میں برابر سمجھتے تھے : آزادی ضمیر اور آزادی عمل کو وہ کسی قیمت پر بیچنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ حریت ،

مساوات اور اخوت کے ان جذبات کو اسلام نے وسعت دینے کے سامان بہم پہنچائے ؛ اس نے بتایا کہ تمہارا اپنا قبیلہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا ایک برادری ہے ؛ اس لئے جس چیز کو تم اپنے اور قبیلہ کے لئے اچھا نہیں سمجھتے اس کو دوسروں پر عائد کرنے کی کوشش نہ کرو۔

اسلام کے اصول صرف دماغی عیاشی اور ذہنی جمناستک کے لئے نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت عملی اور افادی تھی۔ اصول دین کے نام سے اس نے جن نظریات کو پیش کیا تھا انکو عملی جامہ پہنا دیا کہ لئے فروع دین (نماز، روزہ، زکاۃ، خمس، حج، جہاد)، کے نام سے ایک پروگرام تیار کیا تھا ؛ جس پر کاربند ہونیسے حریت، مساوات اور اخوت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور مشق بھی۔ یہ سیدھے سادے عقائد اور اعمال فطرت انسانی پر مبنی تھے اور اس لئے فطری ماحول سے قریب عربوں کے مزاج کے موافق ؛ اسلام چاہتا تھا کہ یہ تحریک عربوں میں عام ہو جائے اور وہ اس الہی دستور حیات کے نظری اور عملی دونوں شعبوں میں مہارت تامہ حاصل کر لیں، تو پھر ان کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اقوام عالم کو ان کے اتباع کی دعوت دی جائے۔

اصلاحی

یونان کی

عقائد پر،

یا فطرت

: اسلام

عمل کو

، اللہ الہی

فی تبلیغ

کہ یہاں

بذیب و

خ نہیں

پیمانہ

: قبائل

حقیر

افراد

عمل

یت،

(كتم خيرامة اخرجت للناس تا مرون بالمعروف وتنهون عن المنكر)

مگر حالات نے جو رخ اختیار کیا اسکی وجہ سے یہ خواب
 شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا ، رسول کا زمانہ حیات پورے عرب کو
 اسلامی اصول پر عامل اور راسخ کرانے کے لئے کافی نہ تھا :
 ان کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمان خانہ جنگیوں میں مصروف
 ہو گئے اور ان خانہ جنگیوں کے مضر اثرات کا سدباب کرنے
 کے لئے ان کا رخ ہمسایہ ممالک کی طرف موڑ دیا گیا : نتیجہ
 یہ ہوا کہ جب مسلمانوں کی نو خیز تہذیب روم و ایران کے قدیم
 تمدن سے ٹکرائی تو باہمی اختلاط و اشتراک سے اسلامی تہذیب
 کے بجائے ایک جدید تمدن کا آغاز ہوا جسکو مغربی
 مورخین سارا سینک کلچر (Saracenic Culture) کہتے ہیں ۔

اگر رسول کریم کی وفات کے بعد چند سال تک اہل عرب کو اپنی
 اندرونی اصلاح اور ”تنظیم مطابق اسلام“ کا موقع مل جاتا تو
 شاید وہ ہمسایہ ممالک سے متاثر ہونے کے بجائے خود ان پر
 اثر انداز ہو سکتے ؛ مگر دوسروں پر اثر انداز ہونے کا سوال
 تو الگ رہا وہ خود اسلام کے بنیادی اصول کو بھی
 پورے طور پر جذب نہ کر سکے : اس لئے قبیلہ پرستی

خاندان نوازی اور جتہہ بندی کی وہ مذموم صفتیں جو دور جاہلیت کا طرہ امتیاز تھیں پھر ابھر آئیں۔ چونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رسول کریم علیہ والہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے بعد مسلمانوں کے امیر کے تعین و تقرر کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا اس لئے مختلف قبائل امارت مسلمین کے لئے کوشاں ہوئے اور ان کے باہمی تنازعوں نے خونریزیوں کا دروازہ کھول دیا۔ خدمت خلق، ترویج دین اور حفاظتِ ملک و ملت کے بجائے عہدہ خلافت کو حصولِ اقتدار اور طلبِ جاہ کا ذریعہ سمجھ لیا گیا۔ جب تک رسول کی آغوشِ تربیت میں پلے ہوئے لوگ موجود رہے، یہ جذبہ مصلحتوں اور تاویلوں کے حجاب ڈال کر نمودار ہوتا رہا؛ جب یہ مقدس دور ختم ہو گیا، اور دمشق و بغداد مرکزِ حکومت بنے تو کھلم کھلا قیصر و کسری کی تقلید ہونے لگی۔

اسلامی نظام کی رو سے قرآن شریف سرچشمہ قوانین و احکام ہے اور رسول کی سیرت ان احکام کی تفسیر ہے۔ کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے؛ مسلمانوں کا امیر قرآنی احکام کو صرف نافذ کر

سکتا ہے ، ان کی تعمیل کراسکتا ہے، مگر اپنی طرف سے ان میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتا۔ مگر عرب کے آس پاس کے ممالک میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے ، ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر قول قانون مانا جاتا تھا۔ اس لئے جب خلفاء نے شاہانہ کروفر اختیار کر لیا تو شامی و ایرانی لوگوں نے جوابی قومی و نسلی روایات سے متاثر تھے ، ان کی بیجا خوشامد اور اطاعت شروع کی ؛ اس سے خلفاء کے حوصلے بڑھتے گئے اور انہوں نے احکام الہی کو پس پشت ڈال کر اپنے مفاد اور مصالح کو مشعل ہدایت بنایا ؛ اسطرح حکومت عربیہ کی گاڑی اسلام کی سیدھی سڑک سے ہٹ کر قیصر و کسری کے پامال و فرسودہ مگر پُر پیچ راستہ پر پڑ گئی۔ تاریخ کے آئینہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے مطابق العنان سلاطین کی شکلیں دیکھئے وہ رسول کریم کے بجائے نیرو اور اسفندیار کے جانشین اور چنگیز و ہلاکو کے پیشرو نظر آئینگے۔

یہ ظاہر ہے کہ مصلح اور بادشاہ کے منصب جدا گانہ ہیں۔ اول الذکر ترغیب و تحریص اور وعظ و پند سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتا ہے اور اخرا الذکر غلبہ و اقتدار کی نمایش اور (ضرورت ہو تو) قوت کے استعمال سے اپنے احکام منواتا ہے۔

تاریخ کا یہ افسوس ناک باب ہے کہ مذاہب کی ابتدا تو بطور تحریک عام (Mass Movement) کے ہوتی ہے، جسکو ایک یا چند ایثار دوست بزرگ اپنے اخلاقی اور روحانی اثر سے پھیلاتے ہیں، ابتدا میں اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر آہستہ آہستہ صداقت دلوں میں گہر کر جاتی ہے، پہلے دو چار آدمی اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں پھر گروہ کے گروہ اس میں شامل ہو کر تسکین روح حاصل کرتے ہیں؛ جب عامۃ الناس کا رجحان اسکی طرف بڑھنے لگتا ہے تو ہوشیار جاہ پسند اس کو اپنے لئے حصول اقتدار کا ذریعہ سمجھ کر اس میں شامل ہو جاتے ہیں؛ اور آہستہ آہستہ وہ مذہب ان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ بدھ مت پر جو آفت اشوک اور کنشک کے ہاتھوں آئی وہی دین مسیحی پر سینٹ پال اور قسطنطین کی وجہ سے نازل ہوئی۔

اسلام در اصل ایک دستور زندگی تھا، رسول کریم اس کو ترغیب و تحریص کے ذریعہ پھیلانا چاہتے تھے (لا اکراه فی الدین۔ قد تبین الرشد من الغی) مگر عرب میں اس وقت جہالت کا دور دورہ تھا، وہاں کے باشندوں نے آپ کے مشن کو بآسانی نہ پھیلنے دیا؛ قدم قدم پر

رکاوٹیں پیدا کیں، جا بجا مزاحمتیں کیں، حضرت پر اور ان
 کے اصحاب پر قاتلانہ حملے کیئے۔ جب آپ مکہ چھوڑ کر
 مدینہ چلے آئے تو آئے دن مدینہ پر دھاوے کرتے رہے،
 دفاعی طور پر آنحضرت کو تلوار اٹھانی پڑی؛ اور آپ نے
 قتل و غارت اور خواہ مخواہ خونریزی کے لئے نہیں بلکہ حفاظتِ
 جان و مال کے لئے اعدا کا مقابلہ کیا، بعد میں جب ہوشیار قسمت
 آزمائوں نے اسلام کو آلہ کار بنانا چاہا تو آنحضرت کی اس دفاعی
 لشکر کشی کو سند قرار دے کر جہانگیری اور تسخیر ممالک کا
 پروگرام بنا ڈالا اور شاہان روم و ایران کی طرح مستقل لشکر اور بھرپور
 خزانے رکھ کر ایک مستبد اور ظالمانہ طرز حکمرانی کی بنیاد رکھی۔
 مسلمان بادشاہوں نے بڑے دھوم دھام سے سلطنت کی،
 ان میں اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ تھے؛ شروع شروع
 میں اقتدار عربوں کے ہاتھ میں رہا؛ پھر مغلوں اور ترکوں نے
 علم جہانبانی بلند کیا؛ آج بھی دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں مسلمانوں
 کی حکومت نظر آہی جاتی ہے؛ مگر ان کا طرز جہانبانی اسلامی
 نہیں؛ اس لئے نہ ان کی خویوں کا فخر اسلام کو حاصل ہو سکتا
 ہے نہ ان کی برائیوں کی ذمہ داری اس پر عائد کی جاسکتی ہے۔

جن لوگوں نے مختلف اقوام و ملل کے فلسفہ جہانبانی کا مطالعہ اور ان کے طرز حکمرانی کا معائنہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ فیل سیاست کے کھانے کے دانت اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور، قیام حکومت و سلطنت کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے معاشرے (سماج) کو فائدہ پہنچے اور بلاد و امصار میں امن و امان قائم رہے۔ بلکہ کوئی ہوشیار اور چالاک فرد، خاندان یا جماعت کسی خطہ زمین پر قابض ہو جاتی ہے، اور اس خطے کے باشندوں، وسائل و ذرائع، اور خزان ارضی کو تسخیر کر کے اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہاں اپنی خدائی کا تخت بچھاتی ہے اور شب و روز اس کے استحکام میں مصروف رہتی ہے۔

کلیلہ و دمنہ کے افسانوں سے لیکر چانکیہ، بزرگ مہر، میکاویلی اور ہیگل کے منضبط فلسفہ سیاسیات تک جتنی کتابیں آپ کو ملینگی وہ صاف صاف یا دبی زبان سے یہی کہتی نظر آئیں گی کہ اصل چیز ”بقائے حکومت“ ہے؛ اس مقصد کے حصول کے لئے جنگ و جدل، مکرو فریب، قتل و غارت سب کچھ جائز ہے۔

ممکن ہے کہ شروع شروع میں جب نسل انسانی فطری ماحول میں تھی حکمران افراد یا جماعتوں کا تقرر اس لئے کیا جاتا ہو کہ وہ سوسائٹی کا تحفظ کر سکیں ، مگر اب تو ہزاروں سال سے یہی ہو رہا ہے کہ سوسائٹی کو حکمران افراد یا جماعتوں کی حفاظت کا فرض ادا کرنا پڑتا ہے ۔ ملوکیت ہو یا جمہوریت ، آمریت ہو یا مشروطیت سب کو اپنے تحفظ کے لئے Divide and rule (ایک طبقہ کو دوسرے سے جدا کر دو اور چین سے حکومت کئے جاؤ) کے اصول پر عمل کرنا پڑتا ہے ۔

اسلام چاہتا تھا کہ چالاک انسانوں کے بنائے ہوئے دستور حیات کو بدل دے اور اس کے بجائے فطری قوانین پر معاشرہ کو از سر نو ترتیب دے۔ اسی لئے اس مفید و حیات بخش تجربہ کے واسطے عرب کی سر زمین منتخب کی گئی کہ یہ خطہ فی الجملہ نام نہاد تہذیب و تمدن کے مہلک اثرات سے بچا ہوا تھا ۔ رسول کریم علیہ وآلہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنے عہد میں اسی ”نظام نو“ کو رواج دیا ؛ نسل آدم کے لونی ، وطنی اور نسلی امتیازات کے خلاف جہاد کیا ؛ دولت کی صحیح اور

مناسب تقسیم سے سوسائٹی کو طبقات میں تقسیم ہونے سے روکا؛ خمس و زکاة اور قانون وراثت رائج کر کے سرمایہ داری کی بیخ کنی کی؛ خود محنت و مزدوری کر کے قوم میں عظمتِ محنت کا تصور پیدا کیا۔

مگر جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، عرب کے گرد و پیش وہ ممالک تھے جہاں انسانوں کے خود ساختہ قوانین رائج تھے، جہاں سوسائٹی طبقات میں تقسیم تھی، جہاں لونی، نسلی اور وطنی امتیازات موجود تھے۔ اس لئے عرب زیادہ عرصہ تک اس ”نظام نو“ پر کار بند نہ رہ سکا۔ رسول خدا کے بعد نئی حکومتوں کو اپنے مصالح کی بنا پر ایران، روم، مصر اور دوسرے ممالک پر فوج کشی کرنی پڑی اور مسلمانوں کا ”نظام نو“ ان ملکوں کے نظام قدیم سے ٹکرا کر اگر بالکل پاش پاش نہیں ہوا تو اس سے بڑی حد تک متاثر ضرور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کو اپنا ”نظام نو“ پھیلانے کے لئے کل تیس سال کا عرصہ ملا، ظاہر ہے کہ پرانے نقش و نگار کا نیا نقش قائم کرنے کے لئے یہ عرصہ ناکافی تھا، اگر آنحضرت کی وفات کے بعد وہی ”نظام نو“ عرب میں جاری

رہتا تو آہستہ آہستہ وہاں کے لوگ اس کے خوگر ہو جاتے ، اور اس کے بعد آس پاس کی قوموں کے اخلاق و عادات سے متاثر ہونے کے بجائے وہ خود ان پر اثر انداز ہو سکتے ۔ لیکن زمانہ کو یہ منظور نہ تھا ، آنحضرت کے بعد جلد ہی عرب میں ملوکیت کا دور شروع ہو گیا ، اور حسب دستور ملوکیت کی بقا کے لئے اس عہد کے ارباب حل و عقد کو وہ تمام وسائل و ذرائع استعمال کرنے پڑے جو سامراجی (امپیریلٹ) قومیں استعمال کیا کرتی ہیں ۔ (۱) یعنی رعایا کو طبقات میں تقسیم کر دینا تاکہ یہ طبقے آپس میں دست و گریباں رہیں اور اربابِ حکومت کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو آگے بڑھاتے رہیں ۔ (۲) اپنی حدود حکومت کی توسیع اور اندرونی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کو روکنے کے لئے دوسرے ممالک پر حملہ ۔

(۱)

مسلمانوں میں امتیازات و طبقات

کیوں کر قائم ہوئے

زبان سے یہ کہہ دینا کہ نبی آدم آپس میں برابر ہیں بہت آسان ہے مگر عملاً ان میں اخوت اور مساوات کی تخم ریزی

کرنا اور تقسیم دولت میں مساوات برتنا مشکل ہے اور بغیر اس کے قوم مساوات کی خوگر نہیں ہو سکتی۔ رسول کریم نے زبان سے انما المؤمنون اخوة (مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں) فرمایا تو ان کے حقوق بھی برابر رکھے۔ ان کے عہد میں دولت، رنگ، روپ، کثرت مال اور کثرت اعوان کی بنا پر کسی کو شرف حاصل نہ ہوتا تھا، بلکہ بزرگی کا مدار عمل صالح پر تھا (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم)۔

آنحضرت جب تقسیم دولت فرماتے تو کالے گورے اور آقا غلام کو برابر عطا فرماتے۔ حضرت ابوبکر بھی اپنے عہد میں رسول کریم کی اس سنت پر عامل رہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج میں لکھا ہے۔

حدثني ابن ابی نجیح قال قدم مجھ سے ابی نجیح نے بیان کیا کہ
 علی ابی بکر الصدیق مال حضرت ابوبکر کے پاس مال لایا
 فقال من کان له عند النبی گیا تو وہ لوگوں سے فرمانے لگے کہ
 صلعم عدة فلیات فجاء جابر بن جنس سے رسول اللہ صلعم نے کوئی
 عبد اللہ فقال قال لی رسول اللہ وعدہ فرمایا ہو وہ میرے پاس آئے۔
 لو جاء مال البحرین اعطیک پس جابر بن عبد اللہ ان کے پاس

ھکذا ھکذا یشیر بکفیه فقال آئے اور کہا کہ مجھ سے رسالتاب
 لہ ابو بکر خذ خذ بکفیه نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین سے
 ثم عدہ فوجدہ خمساً فقال مال آیا تو میں تم کو اتنا دوں
 خذ الفاً ثم اعطی کل انسان گا (یہ کہتے جاتے تھے اور
 کان رسول اللہ صلعم وعدہ شیاً اپنے ہاتھوں سے اشارہ فرماتے
 وبقی بقیۃ من المال فتسمہ جاتے تھے)۔ پس حضرت ابو بکر
 بین الناس بالسویۃ علی الصغیر نے کہا کہ اچھا اس مال میں
 والکبیر والحر والمملوک والذکر سے لے لو، انہوں نے دونوں ہاتھ
 والانشی نخرج علی تسعة درہم بھر کر روپیہ اوٹھایا اور گنا تو
 وثلاث لکل انسان فلما کان العام پانچ سو نکلے۔ تب حضرت ابو بکر
 المقبل جاء مال اکثر من نے فرمایا ایک ہزار لے لو پس
 ذالک فتسمہ بین الناس فاصاب اسی طرح حضرت ابو بکر نے
 کل انسان عشرون درہما قال ہر شخص کو جس سے رسول اللہ
 فجاء ناس من المسلمین وقالوا نے کچھ وعدہ کیا تھا مال عطا
 یاخليفة رسول اللہ انک قسمت ہنا کیا جو کچھ باقی رہا اس کو
 فسویت بین الناس ومن الناس چھوٹے بڑے، آزاد و غلام،
 اناس لہم فضل و سوابق و قدم فلو مرد و عورت غرض سب لوگوں

فضلت اهل السوابق والقدم کو برابر برابر تقسیم کر دیا ہر ایک
 والفضل بفضلہم قال فقال اما کے حصہ میں $\frac{1}{3}$ ۹ درہم آئے ۔
 ذکر تم من السوابق والقدم فیا جب دوسرا سال آیا ، تو
 اعرفنی بذالك وانا ذالك شیء اس سے زیادہ مال حضرت
 ثوابہ علی اللہ و هذا معاش ابوبکر کے پاس آیا؛ اور اس کو
 فالاسوة فیہ خیر من الاثرۃ انہوں نے اسی طرح لوگوں میں
 تقسیم کر دیا ؛ ہر ایک کو بیس بیس درہم ملے اس وقت مسلمانوں
 میں سے کچھ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اے رسول
 کے خلیفہ آپ نے سارا مال لوگوں پر برابر برابر تقسیم کر دیا حالانکہ ان
 میں وہ لوگ بھی ہیں جو دوسروں پر فضیلت رکھتے ہیں، اسلام اور دینی
 خدمات کے لحاظ سے سابق اور مقدم ہیں پس اگر جناب ان کی
 سابق الاسلامی اور فضل کے اعتبار سے تقسیم مال میں بھی ان کو
 دوسروں پر فضیلت دیتے تو بہتر ہوتا یہ سنکر حضرت ابوبکر نے فرمایا
 کہ میں ان سوابق و قدم کو جن کا تم ذکر کر رہے ہو تم سے بہتر
 جانتا ہوں مگر یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے
 اور یہ جو میں دے رہا ہوں یہ معاش (یعنی گذر اوقات کا سامان)
 ہے، مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلعم کے طریقہ

کو چھوڑ کر میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دوں -
 مگر یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا - رومی اور ایرانی
 علاقوں کی تسخیر کے بعد مسلمان وہاں کے تمدن سے متاثر ہوئے
 بغیر نہ رہ سکے - جب حکومت کسراپت اور قیصریت کے سانچے
 میں ڈھلنے لگی تو اس کے تحفظ کے لئے ویسے ہی حربے
 استعمال کرنے پڑے - چنانچہ خلافت کے دوسرے ہی دور
 میں مدینہ کی سیدھی سادی مخلوق کو طبقات میں تقسیم کرنے
 کا کام شروع ہو چلا تھا - مساوات پسند مسلمانوں کو روم و
 ایران کے طریقے پر پنج ہزاری، ہفت ہزاری اور دوازدہ ہزاری
 بنا کر Classless Society میں امتیازات کی بنیاد رکھی گئی -

مسلم ارسٹاکریسی

Muslim Aristocracy

کا آغاز

(پنج ہزاری، ہفت ہزاری اور دوازدہ ہزاری مسلمان)

عن الشعبی عن من شهد عمر شعبی نے ایک ایسے آدمی سے
 ابن الخطاب قال لما فتح الله عليه جس نے حضرت عمر بن خطاب
 وفتح فارس والروم جمع ناسامن کو دیکھا تھا روایت کی ہے

اصحاب النبی صلعم فقال ماترون کہ جب خدا نے حضرت عمر کو
 فانی اری ان اجعل عطاء الناس فارس اور روم کی فتح نصیب
 فی کل سنة و اجمع المال فانه کی تو انہوں نے اصحاب رسول میں
 اعظم البرکة قالوا اصنع مارایت سے کچھ لوگوں کو جمع کر کے
 فانک انشاء الله موفق قال پوچھا تمہاری رائے کیا ہے ؟
 فقرض الاعطیات فدعی الناس میری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں
 فقال عبد الرحمان بن عوف کے عطیات کو سالانہ کردوں اور
 بنفسک فقال لا والله و لکن مال کو جمع کرتا رہوں کیونکہ
 ابدأ بنی ہاشم رھط النبی صلعم یہ طریقہ بہت باعث برکت
 فکتب من شھد بدرأ من بنی ہاشم ہے۔ لوگوں نے کہا جو آپ
 من مولی و عربی اکل رجل کی رائے ہو کیجئے ، انشاء الله
 منهم خمسة الاف خمسة الاف آپ موفق ہوں گے۔ پس جب
 وفرض للعباس بن عبد المطلب عطیات و وظائف مقرر ہونے
 اثنی عشر الفا ثم لمن شھد لگے تو اس وقت بھی لوگوں کو
 بدرأ من بنی امیہ بن عبد شمس (بغرض مشورہ) طلب کیا گیا۔
 ثم الاقرب فالاقرب الی بن ہاشم عبد الرحمان بن عوف نے رائے
 فقرض للبدرین اجمعین عربیہم دی کہ (فہرست کو) اپنی ذات

ومولاهم خمسة الاف خمسة الاف سے شروع کیجئے۔ حضرت عمر
 وفرض للانصار اربعة الاف بولے توبہ توبہ (ایسا نہیں
 اربعة الاف وکان اول انصاری ہوسکتا) میں بنی ہاشم کے نام
 فرض لہ محمد بن سلہ سے شروع کروں گا کہ وہ نبی
 صلعم کا قبیلہ ہیں پس (فہرست یوں) تحریر ہوئی کہ بنی ہاشم
 میں جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے وہ غلام
 ہوں یا عربی النسل ہر ایک کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار ہاں
 مگر حضرت عباس کا بارہ ہزار، اس کے بعد بنی امیہ میں سے
 جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے، پھر جو لوگ بنی
 ہاشم سے قریب تر تھے ان کے وظائف (اسی لحاظ سے)
 مقرر کئے۔ پس جملہ بدریین کے لئے خواہ وہ غلام ہوں
 یا عربی پانچ پانچ ہزار معین کئے اور انصار کے لئے چار
 چار ہزار۔ انصار میں سب سے پہلے جن کا وظیفہ معین کیا
 وہ محمد بن سلہ تھے۔

وفرض لازواج النبی صلعم اور جملہ ازواج نبی کے لئے
 عشرة الاف وفرض لعائشة دس دس ہزار مقرر کئے سوائے
 ام المومنین اثنا عشر الفا ام المومنین عائشہ کے کہ ان

..... کا وظیفہ بارہ ہزار معین کیا۔ کا آغاز

..... و فرض للحسن والحسين خمسة

الاف خمسة الاف لهما من اور رسول الله صلعم سے قرب

رسول الله صلعم ثم فرض للناس رکھنے کی وجہ سے حسن و

ثلثمائة واربعمائة للعربي والمولى حسین کے لئے پانچ پانچ ہزار

وفرض لنساء المهاجرين مقرر کئے۔ باقی لوگوں میں

والانصار ست مائة و ست مائة سے عربی اور غلام کے لئے

و اربع مائة اربعمائة و ثلثمائة حسب مراتب تین تین سو

ثلثمائة و مائتين وفرض لanas اور چار چار سو مقرر کئے

من المهاجرين والانصار الفين اور مهاجرين و انصار کی

عورتوں کے لئے حسب حیثیت چھ چھ۔ چار چار۔ تین تین اور

دو دو سو مقرر کئے اور مهاجرين و انصار میں سے کچھ

لوگوں کا وظیفہ دو دو ہزار معین کیا۔ (ازالة الخفا)

وظائف کی یہ فہرست اس سیدھے سادے اسلامی اصول کو

رخصت کر رہی ہے جس کی رو سے مال آتے ہی فوراً تقسیم

ہو جاتا تھا اور غبن، سرقہ اور زیان کے امکانات باقی نہ رہتے

تھے اس کے علاوہ مستحقین کے ہاتھ میں پہنچ کر وہ چلتی

پہرتی دولت بن جاتا تھا۔ اب سال بھر تک اسکا بیت المال میں جمع ہونا ایک طرف اسلام میں کنز (خزانہ) کی بنیاد رکھ رہا ہے اور دوسری طرف دولت کو معطل کر کے نشو و نما سے روک رہا ہے۔

وظائف کی فہرست پر پھر ایک نظر ڈالئے؛ یہ دور جاہلیت کے مٹے ہوئے امتیازات ہی کو زندہ نہیں کر رہی بلکہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی رقابت کے علاوہ انصار اور مہاجرین کی تئی رزم گاہ قائم کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافت ثانیہ کے زمانہ میں ارباب حل و عقد نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اب حکومت پرانے مساواتی انداز پر نہیں چل سکتی۔ ایک طرف آل محمد اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے ہیں دوسری طرف بنی امیہ عہد جاہلیت کی سرداری کو واپس لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ داد و دہش اور وظائف و عطایا کے ذریعہ سے ایک وفادار طبقہ پیدا کیا جائے اور دوسری طرف حریف جماعتوں کے افراد کو خرید کر ان میں پھوٹ ڈال دی جائے۔

اگر یہ فہرست اسلامی اصول پر مرتب ہوتی تو پہلے اس

میں آل محمد کا نام ہوتا، جنگی خدمات پر مبنی ہوتی تو اسکا آغاز حضرت علی کی ذات سے ہوتا، جاہلیت کے اصول کے مطابق اس کی بنا قبائلی تقسیم پر رکھی گئی ہے، اور حضرت عباس کا بارہ ہزار وظیفہ یہ بتا رہا ہے کہ بنی ہاشم میں نئے دعویداروں کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ یہ بارہ ہزار روپیہ آنے والی خلافت عباسیہ کے بارہ زینے تھے۔ اب اس کے بعد بنی امیہ کا نام آنا سرود ہمستان یاد دہانیدن کا مترادف ہے۔ انصار کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے، ان میں کتنے بڑے بڑے صحابہ شامل ہیں، انکی اسلامی خدمات اور رسول کریم علیہ و آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مواسات کو دیکھئے؛ یہ صحیح ہے کہ مہاجرین میں بعض ایسے تھے کہ جن کی اسلامی خدمات انصار کے مقابلہ میں زیادہ ہوں گی مگر ہر وہ عرب جو مکہ سے چل کر مدینہ میں آباد ہو اس امر کا مستحق نہیں ہو جاتا کہ اس کو انصار پر ترجیح دی جائے۔ اگر یہ دور جاہلیت کا احیاء نہ تھا تو ایران و روم کی حکمران جماعت کی نقل تو ضرور اٹاری گئی تھی۔

بنی ہاشم میں حضرت عباس کو ترجیح دی گئی ہے، انصار میں محمد بن سلیم کا نام نقطہ آغاز بن رہا ہے، ازواج میں

ام المؤمنین عائشہ کو دوازدہ ہزاری کا اعزاز عطا ہو رہا ہے ،
حالانکہ تاریخ ان حضرات کی غیر معمولی اسلامی خدمات کے
تذکرہ سے خاموش ہے ۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ بزرگ
ہستیاں اس وقت کی حکومت سے زیادہ سے زیادہ اتحاد عمل
کرنے پر آمادہ تھیں ؟

حضرت عمر کو خود بھی احساس تھا کہ عرب میں ازسرنو
دور جاہلیت کی امتیاز پرستی اور قبائل نوازی کا احیاء کرنا
سیرت رسول مقبول کے خلاف ہے ۔ چنانچہ اپنی عمر کے آخری
ایام میں فرمایا کرتے تھے :—

انی کنت تالفت الناس بما صنعت میں نے بعض لوگوں کو بعض پر
فی تفضیل بعض علی بعض جو ترجیح دی تو لوگوں کی
وان عشت هذه السنة ساویت تالیف قلوب کرنا مقصود تھا
بین الناس فلم افضل احمر علی لیکن اگر اس سال زندہ
اسود ولا عربیا علی عجمی و رہ گیا تو لوگوں کے حقوق میں
صنعت کما صنع رسول الله مساوات پیدا کردوں گا اور
و ابوبکر سرخ کو سیاہ پر اور عربی
کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا اور ایسا ہی کروں گا

جیسا کہ رسول اللہ صلعہ اور حضرت ابو بکر کیا کرتے تھے۔
(یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۶)

حضرت عمر کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کوئی غلطی کرتے تو اس کا اعتراف کرنے میں ان کو تامل نہ ہوتا تھا۔ مگر بعد کے زمانہ میں جو لوگ امور مسلمین کے متکفل ہوئے وہ اس خوبی سے محروم تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمر کچھ دنوں اور زندہ رہ جاتے تو عدم مساوات کے نظام کو بدلنے کی کوشش کرتے، لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب ایک مرتبہ آئین و قوانین کا احترام کم ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے حکمران کے اقوال کو آئین کا مرتبہ دیدیا جاتا ہے تو پھر اصل حالت کی طرف عود کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی میں ”اولیات عمر“ کی سرخی سے جو باب درج ہے اس کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کو سرچشمہ آئین سمجھنے کے بجائے مسلمان روم و ایران کی تقلید میں قانون سازی کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے۔ جب ایک کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ قانون سازی کا فرض ادا کرے تو دوسرا ان سے پیچھے کیوں رہتا۔ انہوں نے بقول خود لوگوں کے قلوب اپنی

طرف مائل کرنے کے لئے طریق عدل و مساوات چھوڑا، انہوں نے اپنی حکومت کی حفاظت و استحکام کے لئے اپنے خاندان کی پرورش شروع کر دی، داد و دھش کی بدولت ان کو عرب کے متمول طبقہ میں جگہ دی اور حکومت کے اہم عہدوں (Key Positions) پر ان کا تقرر کر کے ملک و قوم کو ان کی گردشِ چشم و ابرو کا محتاج بنا دیا۔

علامہ ابن عبد ربہ اپنی کتاب عقد فرید جلد دوم صفحہ ۱۸۴ پر ارشاد فرماتے ہیں

وَمَا تَقِمْ النَّاسَ عَلَى عِثْمَانَ أَنَّهُ أَوْ حَضْرَتِ عِثْمَانَ عَلَى لَوْ كَانُوا فِي
أَوَى طَرِيدٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَكَمَ جَوَ الزَّمَانِ لَكَائِي تَهَيَّ أَنْ مِ
بَنَ ابْنِ الْعَاصِ وَلَمْ يُوْثِّهِ أَبُو بَكْرٍ سَيَّ يَهِي تَهَا كَهْ أَنَّهُوْنَ فِي
وَلَا عَمْرٍو أَعْطَاهُ مَائَةَ وَ الْفَ رَسُولَ اللَّهِ كَهْ نَكَالِي هُوْئِي
وَسِيرَ ابَا ذَرَّ إِلَى الرِّبْذَةِ وَسِيرَ حَكَمَ بَنَ ابْنِ الْعَاصِ كُوْ پَنَاهِ دِي
عَامِرَ بَنَ عَبْدِ قَيْسٍ مِّنْ حَالَانَكِهِ حَضْرَتِ أَبُو بَكْرٍ أَوْ
الْبَصْرَةِ إِلَى الشَّامِ وَ طَلَبَ مِنْهُ حَضْرَتِ عَمْرٍو فِي پَنَاهِ نَهِي دِي
عَبْدَ اللَّهِ بَنَ خَالِدِ بْنِ تَهِي (صَرَفَ پَنَاهِ هِي نَهِي
أَسِيدَ صَلَاةٍ فَأَعْطَاهُ أَرْبَعَ مَائَةِ دِي بَلَكِهِ مَالِ مُسْلِمِينَ سَيَّ)

الف و تصدق رسول اللہ ایک لاکھ عطیہ بھی عنایت
 بمہزون موضع سوق المدینہ فرمایا۔ (دوسرا الزام یہ تھا)
 علی المسلمین فاقطعہما للحرث انہوں نے ابوذر کو ربذہ کی
 بن الحکم اخا مروان واقطع فذک طرف جلا وطن کیا اور عامر
 مروان وہی صدقہ لرسول اللہ بن عبد قیس کو بصرہ سے
 صلعم واقطع افریقیہ واخذ شام کی طرف نکال دیا۔
 خمسہ فوہبہ لمروان عید اللہ بن خالد بن اسید نے

ان سے انعام و اکرام کی درخواست کی تو اس کو چار لاکھ
 دیدئے۔ مہزون مدینہ میں ایک مقام ہے جہاں بازار لگتا
 تھا۔ رسول خدا نے اس کو عامۃ المسلمین کے لئے صدقہ قرار دیا
 تھا، حضرت عثمان نے مروان کے بھائی حرث بن حکم کو بطور
 جاگیر دیدیا۔ اسی طرح فذک مروان کو جاگیر میں دیدیا
 حالانکہ وہ بھی رسول اللہ کا صدقہ تھا۔ ملک افریقہ فتح کیا
 تو وہاں کا خمس لے کر مروان کو بخش دیا۔

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں
 صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔

قال المسعودی فی ایام عثمان مسعودی نے کہا ہے کہ حضرت

اقتنی الصحابة الضیاع و المال عثمان کے عہد حکومت میں
 فکان له یوم قتل عند صحابہ نے جائدادیں اور اموال
 خازنه خمسون و مائة الف حاصل کئے (خود ان کا اپنا
 دینار و الف درہم و قیمۃ ضیاعہ یہ حال تھا) کہ جس دن وہ قتل
 بوادی القری و حنین و غیرہما ہوئے ان کے خزانچی کے پاس
 مائتا الف دینار و خلف ابلا ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس
 وخیلا کثیرۃ و بلغ الثمن لاکھ درہم موجود تھے۔ اور
 الواحد من متروک الزیر بعد وادی القری اور حنین وغیرہ
 وفاته خمسین الف دینار و خلف میں جو ان کی جائداد تھی
 الف فرس و الف امۃ و کانت اس کی قیمت دو لاکھ دینار
 غلۃ طلحۃ من العراق الف دینار تھی (اس کے علاوہ) اپنے
 کل یوم من ناحیۃ السراۃ بعد انہوں نے بہت سے اونٹ
 اکثر من ذالک و کان اور گھوڑے چھوڑے۔ جب
 علی مرتبط عبد الرحمان حضرت زبیر نے انتقال فرمایا
 بن عوف الف فرس و له الف تو ان کے ترکہ کے آٹھویں
 بعیر و عشرة الاف من الغنم حصے کی قیمت پچاس ہزار
 و بلغ الربع من متروکہ بعد دینار تھی اس کے علاوہ انہوں

وفاته اربعة وثمانين الفا نے ایک ہزار :: گھوڑے اور
 وخلف زيد بن ثابت من الفضة ایک ہزار کنیزیں بھی چھوڑیں۔
 والذهب ما كان يكسر بالفؤس حضرت طلحہ کے (تمول کا یہ
 غير ما خلف من الاموال والضياع عالم تھا) کہ ایک ہزار دینار کا
 بمائة الف دينار وبنی زبیر غلہ عراق سے روزانہ آتا تھا
 داره بالبصره وكذلك بنی اور اطراف سراقہ سے اس سے
 بمصر والكوفه والاسكندريه بھی زیادہ۔ عبدالرحمن بن عوف
 وكذلك بنی طلحہ داره بالكوفه کے اصطبل میں ایک ہزار
 شيدداره بالمدينه وبناناها بالجص گھوڑے تھے (اس کے علاوہ)
 والاجر والساج وبنی سعد انکے پاس ایک ہزار اونٹ اور
 بن ابی وقاص داره بالعقيق و دس ہزار بکریاں تھیں۔ ان کے
 رفع سمکھا و اوسع فضائها مرنے کے بعد ان کے ترکہ کے
 وجعل اعلاها شراقات چوتھائی حصہ کی قیمت چوراسی
 وبنی المقداد داره بالمدينه ہزار دینار تک پہنچی۔ حضرت

:: کتاب الامامات والسياسات صفحہ ۲۶ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد
 میں کنیز کی قیمت بڑھتے بڑھتے اتنی ہو گئی تھی کہ اپنے وزن کے برابر چاندی کے سکے کے
 بدلے فروخت کی جاتی تھی، گھوڑا دس ہزار اور اونٹ ایک ہزار دینار میں ملتا تھا۔

و جعلها حصصه الظاهر والباطن زید بن ثابت نے اپنے بعد اس
 وخلف یعلی بن منیہ خمسین قدر چاندی سونا چھوڑا کہ
 الف دیناراً وعقاراً وغیر ذالک کلھاڑیوں سے کاٹا جاتا تھا، اس
 ما قیمتہ ثلثمائة الف دراهم کے علاوہ ایک لاکھ دینار کی
 مالیت کا سامان اور جائداد چھوڑی۔ حضرت زبیر نے ایک گھر
 بصرہ میں بنایا اور مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں عمارتیں
 بنوائیں۔ حضرت طلحہ نے کوفہ میں ایک مکان بنوایا اور مدینہ
 میں ایک پختہ عمارت تیار کرائی جس میں گچ، اینٹیں اور ساگون
 کی لکڑی لگائی گئی۔ سعد بن ابی وقاص نے مقام عقیق
 میں اپنا مکان بنوایا، اس کی چھت بلند رکھی اور فضا
 وسیع کی اور اس کے اوپر کنگرے بنوائے۔ مقداد نے مدینہ
 میں ایک ایسا مکان بنوایا جس کے اندر اور باہر دونوں جانب
 گچ کی گئی تھی۔ یعلی بن منیہ نے پچاس ہزار دینار چھوڑے،
 اس کے علاوہ جائداد اور دوسرا سامان چھوڑا جس کی قیمت
 تین لاکھ درہم تھی۔

یوں آہستہ آہستہ جمہور مسلمین میں طبقات قائم ہو تے
 گئے۔ قبائلی امتیاز جس کو اسلام نے مٹا دیا تھا پھر عود کر آیا۔

اس کے ساتھ ساتھ زمیندار ، جاگیردار اور وثیقہ دار کے لئے
 تشخص قائم ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مساوات اور اخوت کا سیدھا
 سادہ نظام برباد ہو گیا اور اس کی جگہ اسی امتیاز افرین اور
 اختلاف پرور نظام نے لے لی جو روم و ایران میں مدت سے جاری
 تھا اور جس کے مہلک زہر نے مصر ، ہندوستان ، بابل اور
 نینوا کے معاشرے کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ آل محمد کا نظریہ اس
 بارے میں وہی تھا جو خدا و رسول کا تھا کہ مسلمانوں میں امتیاز
 قائم نہ کیا جائے اور ہر ایک کے لئے ترقی کے یکساں مواقع بہم
 پہنچائے جائیں۔ دولت کو بیت المال میں ذخیرہ کر کے نہ رکھا
 جائے بلکہ ہر ایک سال کی آمدنی اسی سال کے اندر صرف کردی
 جائے تاکہ ایک طرف دولت کو نشوونما کا موقع ملے اور دوسری
 طرف غبن ، سرقہ اور زیان کا خوف جاتا رہے۔ چنانچہ
 حضرت عثمان کے بعد جب عنان حکومت ان کے ہاتھ میں آئی
 تو انہوں نے پہلا کام یہی کیا کہ خزانہ کو عامۃ المسلمین پر تقسیم
 کر دیا، اور تقسیم میں مساوات کا طریقہ برتا، جب غلام اور
 آقا، کالے اور گورے کو یکساں عطیہ ملا تو وہ جو زیادہ
 لینے کے عادی تھے بگڑے، مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کو

خاموش کر دیا :-

لو كان المال لى لسويت بينهم اگر یہ مال میرا ذاتی بھی ہوتا
فكيف وانما المال مال الله تو میں سب کو برابر برابر ہی
دیتا اور یہ تو ہے ہی خدا کا مال (اور اس کی نگاہ میں سب
بندے برابر ہیں)

مشہور سنی ماہر سیاست علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اپنی
شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر کسی قدر وضاحت
سے روشنی ڈالتے ہیں -

وروى على بن محمد بن ابى يوسف علی بن محمد ابو یوسف مدائنی
المدائنی من فضیل ابن الجعد فضیل بن جعد سے روایت
قال اکد الاسباب فی تقاعد کرتے ہیں کہ جناب امیر المومنین
العرب عن امیر المومنین علیہ السلام سے عرب کی مخالفت
علیه السلام امر المال فانه لم یکن کاسب سے بڑا سبب یہی ”مال“
یفضل شریفا علی مشروف تھا، کہ وہ جناب نہ کسی شریف
ولا عریا علی عجمی ولا یصانع کو مشروف پر فضیلت دیتے
الروسا و امراء القبائل کما تھے، نہ عرب کو عجمی سے ممتاز
یضع الملوک ولا یستمل احدالی سمجھتے تھے، نہ روساء اور

نفسه وكان معاوية بخلاف ذلك
 فترك الناس عليا و التحقوا
 برتے جو سلاطین کا قاعدہ ہے ،
 بمعاویہ فشکی علی علیہ السلام
 نہ (مال و دولت دے کر) کسی
 الی الاشترتخاذل اصحابه و فرار
 کو اپنی طرف مائل کرتے ۔
 بعضهم الی معاویة فقال الاشتري
 (ان کے حریف) معاویہ کا عمل
 یا امیرالمومنین انا قاتلنا اهل البصرة
 بلکل اس کے خلاف تھا ،
 باهل البصرة و اهل الكوفة
 اس وجہ سے لوگوں نے آپ
 ورای الناس واحد وقد اختلفوا
 کو چھوڑ کر معاویہ سے ساز باز
 بعد وتعادواضعفت النية وقل العدد
 کرلیا ۔ جناب امیر نے اس کی
 وانت تاخذبهم بالعدل و تعمل
 شکایت مالک اشتر سے کی کہ
 فيهم بالحق اذ عمويه واغتموا
 لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ کر معاویہ
 من العدل اذ صاروا فيه و راؤ
 سے ملے جاتے ہیں ، مالک اشتر
 صنائع معاوية عند اهل الغناء
 نے کہا اے امیرالمومنین ہم نے
 والشريف فتاقت انفس الناس
 بصره اور کوفہ والوں کے ساتھ
 الی الدینا وقل من ليس للديننا
 مل کر اہل بصرہ سے جہاد کیا
 بصاحب اکثرهم یمتوی الحق
 اس وقت لوگوں کا ایک رائے
 ویشتري الباطل ویوثر الدنيا
 پر اجتماع تھا ، اس کے بعد

فان تبذل المال يا اميرالمومنين
 یمیل الیک اعناق الرجال وتصف
 السنتهم لك ويستخلص ودهم
 صنع الله لك يا اميرالمومنين
 وکبت اعداءك وقص جمعهم
 و اوھن کیدھم و شت امورھم
 انه بما يعملون خیر فقال علی
 علیہ السلام اما ما ذکرک من
 عملنا وسیرتنا بالعدل فان الله
 عزوجل یقول من عمل صالحاً
 فلنفسه ومن اساء فعلیها وما ربك
 بظلام للعبد وانا من ان اکون
 مقصر فیما ذکرک اخوف اما
 ما ذکرک من ان الحق ثقل علیهم
 ففارقونا لذلك فقد علم الله
 انهم یفارقونا من جور ولاجوا
 اذ فارقونا الی عدل ولا یلتمسوا
 اختلاف پیدا ہوا، نیتیں
 ضعیف ہوگئیں اور تعداد کم
 ہوگئی۔ آپ سب کے ساتھ
 عدل کرتے ہیں اور ان کے
 ساتھ حق کے مطابق عمل کرتے
 ہیں، پس وہ آپ کے عدل و
 انصاف سے گھبرا اٹھے، (دوسری
 طرف) ان ترکیبوں اور حکمت
 عملیوں کو دیکھا جو معاویہ امیروں
 اور شریفوں کے ساتھ کرتا ہے،
 کیونکہ کم لوگ ایسے ہیں جو
 دنیا کے خواہاں نہ ہوں، اکثر
 تو ایسے ہوتے ہیں جو حق
 کو بیچ کر باطل خریدتے ہیں
 اور دنیا کو اختیار کرتے ہیں۔
 پس اگر آپ بے دریغ مال دنیا
 تقسیم فرمائیں (اور جہنم بند

الا دنیا زایلة عنهم کان قد اور قابو یافتہ لوگوں کو دوسروں
 فارقوها ولیس ان یوم القیامة الدنیا سے زیادہ دین) تو پھر دیکھئے
 ارادوا اوللہ عملوا واما ما ذکرث کہ لوگوں کی گردنیں کس طرح
 من بدل الاموال و اصطناع آپ کی طرف جھکتی ہیں اور
 الرجال فانه لا یسعنا ان نوتی انکی زبانیں آپ کے کیسے گیت
 مرأ من النی اکثر من حقہ و گاتی ہیں اور وہ کس طرح
 قد قال اللہ سبحانہ و تعالی وقولہ آپکے خیر خواہ بن جاتے ہیں
 الحق کم من قلة قليلة غلبت قلة خدا آپکے امور درست کرے
 کثیرة باذن اللہ واللہ مع الصابرين اور دشمنوں کی جمیعت اور مکر
 وقد بعث اللہ محمدآ صلی اللہ علیہ و فریب کو پراگندہ و کمزور
 والہ وحده فکثرہ بعد القلة و کرے، بیشک خدا ان کے اعمال
 اعز قلة بعد الذلة و ان یرد اللہ سے باخبر ہے۔
 ان یولینا هذا الامر یدل لنا جناب امیر علیہ السلام نے
 صعبہ ویسہل لنا حزنہ وانا قابل فرمایا تم نے جو یہ کہا کہ ہم
 من رایک وما کان اللہ عزوجل عدل و انصاف پر عمل کرتے
 رضا انت من آمن الناس عندی ہیں (تو اسکی وجہ یہ ہے) کہ
 انصحهم لی واثقہم فی نفسی اللہ تعالی ارشاد فرما نا ہے کہ

نہیں

مادکم

ساتھ

کے

کرتے

دل و

سری

نکت

سیریں

ماہی

جو

اکثر

حق

ہیں

ہیں۔

دنیا

بند

ان شاء اللہ ” جو عمل صالح کرتا ہے تو

اپنے نفس کے فائدہ کے لئے اور جو اعمال بد بجا لاتا ہے تو

اس کا وبال اسی کے سر پڑتا ہے، اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں

کرتا۔۔ اگر مین اس مین تقصیر کروں تو ڈرتا ہوں کہ (اسکا

وبال میری گردن پر پڑیگا) اور تم نے یہ جو کہا کہ وہ ہم سے

اس لئے جدا ہو گئے کہ حق ان پر گراں گذرنا ہے تو اللہ جانتا

ہے کہ انہوں نے اس لئے ہم سے مفارقت نہیں کی کہ ہم نے ان پر ظلم

و جور کیا ہو اور یہ بھی نہیں ہے کہ ہم سے جدا ہو کر وہ کسی

عادل کی پناہ میں گئے ہوں۔ ہم سے جدائی کا سبب سواٹے

(طلب) دنیا اور کچھ نہیں۔ اور یہ دنیا زائل ہو نے والی ہے

اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے دنیا کی

خواہش کی تھی یا اللہ کے لئے عمل کیا تھا۔ اب رہا یہ امر

کہ ہم مال و دولت صرف کر کے لوگوں کو (اپنی طرف) مائل

کریں تو ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ مال فے سے کسی کو اس

کے حق سے زیادہ دیں (اب اس انصاف کی وجہ سے ہماری

جمعیت کم ہو جائے تو بلا سے) خداوند عالم فرماتا ہے اور

اسکا فرمان برحق ہے کہ بہت سے کم تعداد گروہ خدا کے حکم سے

کثیر تعداد گروہوں پر غالب آ جاتے ہیں، خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ خدا نے حضرت رسالت مآب کو يك و تنہا مبعوث فرما کر بھیجا اور قلت کے بعد انکو کثیرالاعوان بنا دیا اور ان کے گروہ کو ذلت کے بعد عزت بخشی۔ اگر خدا کو یہ منظور ہے کہ ہمارے امور کی اصلاح کرے تو ان سختیوں کو اللہ آسان کر دے گا اور اسکی مشقتوں کو سہل کر دے گا اور ہم تمہاری وہ رائے قبول کر لیا کرتے ہیں جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ (یاد رکھو) کہ تم ہمارے نزدیک سب سے زیادہ امین، معتمد علیہ اور خیر خواہ ہو۔

(۲)

حدوں حکومت کی توسیع

اندرونی بغاوتیں اور خانہ جنگیاں روکنے کے لئے

دوسرے ممالک پر حملہ

رسول اسلام کی وفات کے بعد جو نئی حکومت قائم ہوئی

اس کو عربوں نے آسانی سے تسلیم نہیں کیا، اندرونی بغاوتوں

اور خانہ جنگیوں کو روکنے اور عربوں کی توجہ دوسری

طرف مبذول کرانے کے لئے ہمسایہ ممالک پر حملہ کرنے کی تجویزیں بروئے کار آئیں۔ اس طرح گو عرب چند ہی سال کے اندر قیصر و کسری کے ہمسر بن گئے، ان کا پرچم ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ میں بھی لہرانے لگا، ان کی فوج کا ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی بھی سونے چاندی سے کھیلنے لگا، مگر دنیا کی نگاہ میں وہ ”روحانی پیشوا“، ”مصلح اخلاق“، اور ”خیرالامم“ ہو نے کے بجائے کشورستان اور جہاں گیر بن کر رہ گئے۔ لوٹ مار عربوں کے خمیر میں تھی، جب اس کو درباری سند بھی حاصل ہو گئی تو پھر اللہ دے اور بندہ لے۔

آل محمد نے ہمیشہ ان سامراجی جنگوں سے اپنا دامن بچایا۔ اس کتاب میں جا بجا آپ کی نظر سے گزرے گا کہ وہ علی جو عہد رسول کی مدافعانہ جنگوں میں سب سے آگے رہتے تھے رسول کے بعد کی جارحانہ جنگوں میں بالکل شریک نہیں ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں جو آئمہ طاہرین گزرے انہوں نے بھی مسلمان بادشاہوں کی کشورستانوں میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اسلام بادشاہتیں

اور حکومتیں قائم کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عربوں کو ان کے سامراجی عزائم میں مدد دے اور بقیہ قوموں کو ان کا غلام بنا دے۔

تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کیجئے اور عہد رسول کی مدافعانہ جنگوں کے علل و نتائج کا مقابلہ بعد کی جنگوں کے علل و نتائج سے کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اول الذکر لڑائیاں حفظ جان و مال کی خاطر لڑی گئی تھیں۔ اور آخر الذکر کی تہ میں سنہری اور روپہلی مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔

از بس کہ اس مبحث پر اس کتاب میں جا بجا کافی بحث کی گئی ہے اس لئے اس مقام پر ہم زیادہ تفصیل کرنا نہیں چاہتے۔

آل محمد کے نظریات

(۱) آل محمد قرآن کو سرچشمہ ہدایت سمجھتے تھے اور انسانی سوسائٹی کے قیام کے لئے اس کے بتائے ہوئے قوانین کو کافی اور مفید خیال کرتے تھے۔ رسول کریم کا اسوۂ حسنہ ان کے نزدیک ان قوانین کی تفسیر تھا، اور کسی انسان کو

خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو قانون سازی کا حق حاصل نہ تھا۔

(۲) ان کا نظریہ یہ تھا کہ حکومت کی طرف سے جو مال تقسیم کیا جائے وہ سب کو برابر برابر ملے ، طبقات و مدارج کا لحاظ بالکل نہ کیا جائے۔

(۳) مسلمانوں کو لوٹ مار یا جہاں گیری ، کشورستانی اور تبلیغ دین کے لئے تلوار نہ اٹھانا چاہئے ، وہ صرف دفاع کے لئے لڑ سکتے ہیں۔

(۴) جس طرح تہذیب نفس اور تدبیر منزل کے لئے مکر و فریب مضر ہے اسی طرح سیاست مدن کے لئے بھی سم قاتل ہے۔ ہر چند کہ اس کی مدد سے وقتی کامیابی نصیب ہو جاتی ہے مگر یہ کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر نہیں چلتی۔

(۵) ان کا خیال تھا کہ رعایا کے ساتھ (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔

آل محمد کے معاصر بادشاہ ان نظریوں سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر کی وفات کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علی سے کہا کہ :

اولیک ان تحکم بکتاب اللہ میں آپ کو اس شرط پر والی
 و سنت رسولہ و سیرت الشیخین بنا تا ہوں کہ آپ کتاب خدا،
 فقال علی احکم بکتاب اللہ و سنت رسول اور سیرت شیخین
 سنۃ رسولہ و اجتہد رائی ۔ کے مطابق فیصلہ فرمایا کریں گے
 (شرح فقہ الاکبر صفحہ ۸۰) تو حضرت علی نے کہا کہ میں
 صرف کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق اور اسکے بعد
 اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلے کیا کروں گا ۔

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے مقدمہ شرح نہج البلاغہ
 میں لکھا ہے ۔

انما قال اعداءه لارای له لانه حضرت علی کے دشمن یہ
 کان متقیداً بالشریعة لا یری کہتے ہیں کہ وہ صائب الرائے
 خلافاً ولا یعمل بما یقتضی نہ تھے، بات یہ ہے کہ وہ پابند
 الدین تحریمہ وغیرہ شرع تھے، اسکے خلاف کرنا
 من الخلفاء کان یعمل بمقتضی جائز نہ جانتے تھے اور وہ
 ما یستصلحه و یستوفقه سواء باتین نہ کرتے تھے جو از
 کان مطابقاً للشرع اولم یکن روئے دین حرام ہوں
 دوسرے خلفاء اس طرح پابند نہ تھے، وہ مصلحت وقت کے

مطابق عمل کرتے تھے، خواہ شریعت کے موافق ہو یا نہ ہو۔

اب اس کے بعد ہم حضرت علی علیہ السلام کا ایک مشہور فرمان درج کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اگر آل محمد کو جہاں بانی کا موقع مل جاتا تو وہ حکومت کو کس ڈھنگ پر چلاتے۔

نظام حکومت اسلامی

— :: —

حضرت علی علیہ السلام کا ایک مشہور فرمان

ہذا ما امر به عبد اللہ علی یہ وہ عہد ہے جسکو پورا
امیر المومنین مالک ابن الحارث کرنے کا بندہ خدا علی
الاشتر فی عہدہ الیہ حین ولایہ امیر المومنین نے مالک بن
مصر جبایہ خراجا و جہاد حارث اشتر کو مصر کا والی
عدوہا و استصلاح اہلہا و عمارۃ بناتے وقت حکم دیا (فرائض
بلادہا انکے یہ تھے) کہ وہ اس ملک
کا خراج وصول کریں، اسکے دشمنوں سے جہاد کریں، وہاں کے
باشندوں کی اصلاح کریں اور اسکے شہروں کو آباد کریں۔

-۱-

امرہ بتقوی اللہ و ایثار مین ان کو حکم دیتا ہوں کہ
طاعتہ و اتباع ما امر بہ فی خدا سے ڈرین اور اس کی
کتابہ من فرائضہ و سنتہ الہی اطاعت کو مقدم رکھین اور ان
لا یسعد احد الا باتباعہا ولا واجب اور سنت احکام کا اتباع

یشقی الامع جودھا واضاعتھا کرین جن کا حکم اس نے اپنی
و ان ینصر الله بقلبه ویدہ و کتاب میں دیا ہے کہ کوئی
لسانہ فانہ جل اسمہ قد تکفل شخص بغیر اس کے اتباع کے
بنصر من نصرہ واعزاز من (معراج) سعادت پر فائز نہیں
ہو سکتا اور اسکا انکار کرنے

اور اس کو ضائع کرنے ہی سے شقی ہوتا ہے۔ اور (یہ بھی
حکم دیتا ہوں) کہ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت
کریں۔ پس جو اسکی نصرت کرے اسکی نصرت کا اور جو اسکی
عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفل ہوتا ہے۔

—۲—

وامرہ ان یکسر نفسہ میں حکم دیتا ہوں کہ شہوات
من الشہوات و یزعھا عند کی طرف مائل ہوتے وقت
الجمحات فان النفس امارۃ اپنے نفس کی قوتوں کو توڑ
بالسوء الا مارحمہ اللہ دیں اور سرکشی کرتے وقت
اسکو (منازعت و مخالفت) سے باز رکھیں کیونکہ نفس ہمیشہ
برائی کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ جب خدا اپنا رحم
و کرم فرمائے۔

ثم اعلم يا مالك اني قد اے مالك ! یہ سمجھ لو کہ
 وجهتك الى بلاد قد جرت میں تمکو ان شہروں کی طرف
 عليها دول قبلك من عدل و بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے
 جوروان الناس ينظرون من صاحب عدل اور صاحب جور
 امورك في مثل ما كنت تنظر حکومتیں گذر چکی ہیں، (یاد
 فيه من امور الولاية قبلك، ويقولون رکھو) کہ لوگ تمہارے امور
 فيك ما كنت تقول فيهم کو بھی اسی طرح دیکھیں گے
 جس طرح تم اپنے پیشرو والیاں ملک کے امور کو دیکھتے
 رہے ہو اور تمہاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم
 (گذشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے ہو۔

وانما يستدل على الصالحين بما اور صالحین (کی صلاحیت) پر
 يجرى الله لهم على السن عباده اسی (ذکر جمیل) سے استدلال
 فليكن احب الذخائر اليك کیا جاتا ہے جو اللہ زبان خلق
 ذخيرة العمل الصالح فامالك پر جاری کر دیتا ہے۔ پس
 هواك وشح بنفسك اعمالا چاہئے کہ عمل صالح کا ذخیرہ
 يحل لك فان الشح بالنفس تمہارے نزدیک محبوب ترین

الانصاف منها فيما احبت و ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشات
 اکرہت و اشعر قلبك الرحمة نفسانی پر قابو رکھو اور
 للرعية والمحبة لهم واللطف بهم ان چیزوں سے جو تمہارے
 ولا تكونن عليهم سبعا ضاريا لئے حلال نہ ہوں اپنے نفس کو
 تغتم اكلهم فانهم صنفان؛ اما باز رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہے
 اخلك في الدين. او نظيرك کہ نفس جن امور کو پسند
 في الخلق، يفرط منهم الزلل، و کرتا ہو اور جن سے اسکو
 تعرض لهم العلل، و يوقى على نفرت ہو انکی نسبت اس کو
 ايدهم في العمد والخطا فاعطهم انصاف پر مائل کرو۔ اور اپنے
 من عفوك وصفحك ومثل الذي دل میں رعیت پر لطف و
 تحب ان يعطيك الله من عفوه محبت اور مہر بانی کرنے کا
 و صفحه فانك فوقهم و والی جذب و احساس پیدا کرو اور
 الامر عليك فوقك والله فوق اور ان کے ساتھ ضرر رساں
 من ولاك و قد استكفأك امر درندہ کا سا سلوک نہ کرو جو
 هم و ابتلاك لهم۔ ان کو کھا لینا ہی غنیمت

سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو
 تمہارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے مہرے، ہاتھ

پاؤں اور جسم) کی بناوٹ کے لحاظ سے تم ہی جیسے انسان ہیں ،
 (تمہاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں، اور ان کو
 بھی (خطا و نسیاں اور سہو و عصیاں) کی بیماریاں لاحق
 ہوتی ہیں اور ان سے بھی عمدہ یا سہواً برائیاں سرزد ہو جاتی
 ہیں۔ پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور درگزر کرتے
 رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے اور
 تمہاری (برائیوں) کو درگزر کرے۔ (اس دنیا میں ایک کے
 اوپر دوسرا نگران موجود ہے) تم ان لوگوں پر (حاکم) ہو، تمہارا
 امیر تم پر (نگران) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے جس نے
 تم کو والی بنایا ہے، ان کے امور کا متکفل کیا ہے اور ان کے
 ذریعہ سے تمہاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔

ولا تنصب نفسك لحرب الله فانه لا يدي لك بنقمة و لا غنى
 اور (قوانین فطرت اور احکام) خدا سے جنگ مول لیکر اپنے
 بك من عفوه و رحمة و لا تندمن نفس کو تعب میں نہ ڈالو
 علی عفو و لا تبجن بعقوبة کیونکہ تمہارے اندر نہ اس
 ولا تسرعن الی بادرة و جدت کے عذاب کو دفع کرنے کی
 منها مندوحة ، ولا تقولن انی طاقت ہے، نہ اس کے عفو و

دمر آمر فاطاع فان ذالك رحمت سے مستغنی ہونے کی
 ادغال فی القلب ومنهكة للدين قوت ، (کسی کو معاف کر
 و تقرب من الغیر و اذا حدث (کے) نادم و شرمندہ نہ ہو ، اور
 لك ما انت فيه من سلطانك (کسی کو) سزا دے کر خوش
 ابهة او مخیلة فانظر الى عظم نہ ہو اور (غصہ میں) کوئی
 ملك الله فوقك و قدرته منك ایسی بات یا کام کرنے میں
 علی ما تقدر علیہ من تفسك جلدی نہ کرو جسکے ترك کی
 فان ذالك يطامن اليك من گنجایش ہو ، اور یہ نہ کہتے
 طماحك و يكف عنك من پھرو کہ میں امیر ہوں ، حاکم
 غربك و يفيء اليك بما عزب ہوں ، میری اطاعت لازم ہے۔
 عنك من عقلك۔ کیونکہ اس سے قلب فاسد

اور دین کمزور ہوتا ہے۔ اور تغیرات دنیا قریب آجاتے
 ہیں۔ اور جب کبھی ریاست و امارت تمہارے دل میں تکبر
 اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمہارے اوپر اللہ کی
 حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمہارے نفس کی ان
 باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے۔
 اس سے تمہارا جوش نخوت کم اور حدت سطوت رک جائے گی،

اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

—۴—

ایاک و مساماة اللہ فی عظمتہ دیکھنا! عظمت و اقتدار میں
والتشبیہ بہ فی جبروتہ فان اللہ خدا کے مقابل اور سطوت
یذل کل جبار و یہین کل محتال و جبروت میں اس کے مشابہ
بننے سے بچتے رہنا کیونکہ وہ ہر جبار کو ذلیل اور ہر متکبر کو
خوار کر دیتا ہے۔

—۵—

انصف اللہ و انصف الناس اپنے نفس، اپنے خاص اعزا
من نفسک و من خاصة اهلك و اقارب اور ان افراد رعیت
و من لك هوی من رعیتك کے مقابلے میں جن کی طرف
تمکو خاص میلان طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف
ملحوظ رکھو ::

فانك الا تفعل تعظلم! و من اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم
ظلم عباد اللہ کان اللہ خصمه دون ٹھہرو گے اور جو شخص بندوں

:: مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں اور منظور نظر افراد
رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحر دنیا میں یہی تین چٹانیں ہیں
جن سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

عبادہ ومن خاصمہ اللہ اوحض پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے
 حجتہ وکان اللہ حربا حتی ینزع بندوں کی طرف سے اس کا مخالف
 یتوب و لیس شیء ادعی بن جاتا ہے اور جس سے وہ
 الی تغیر نعمۃ اللہ و تعجل نقمہ مخالفت و مخالفت کرے اس
 من اقامۃ علی ظلم ، فان اللہ کی حجت کو وہ باطل کر دیتا
 سمیع دعوة المضطہدین ہے اور جب تک وہ اپنے ظلم
 و هو للظالمین بالمرصاد سے باز نہ آئے اور توبہ نہ
 کرے وہ اس سے برسرِ جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی
 چیز اس کی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب
 کر دینے والی نہیں ہے کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا
 ہے اور ظالموں کی گہات میں رہتا ہے۔

۶۔ جمہور کی رضامندی

ولیکن احب الامور الیک اور تم کو وہی امر سب سے
 اوسطھا فی الحق واعمھا فی العدل زیادہ پسند ہونا چاہئے جو
 واجمعھا الرضی الرعیۃ فان سخط بلحاظ حق سب سے زیادہ
 العامۃ یجحف برضی الخاصۃ و وسط میں واقع ہو، بلحاظ
 ان سخط الخاصۃ یغتفر مع عدل سب سے زیادہ عمومیت

رضا العامہ و لیس احد من الرعیۃ رکھتا ہو اور رعایا :: کی
 اقل علی الوالی مؤونۃ فی الرخاء رضامندی کا سب سے زیادہ
 و اقل معونۃ لہ فی البلاء و اکره جامع ہو، کیونکہ عامۃ الناس
 للانصاف و اسأل بالاحلاف کی ناراضگی خواص کی رضامندی
 و اقل شکرأ عند الاعطاء و ابطاء کو بے اثر و بے سود بنادیتی
 عنراً عند المنع و اضعف صبراً ہے، اور عامۃ الناس کی
 عند ملات الدھر من اهل الخاصة رضامندی کے ساتھ خواص کی
 و انما عماد الدین و جماع المسلمین ناراضگی ناقابل التفات ہو جاتی
 و العدة للاعداء العامة من الامة ہے۔ تمام رعایا میں طبقہ
 فلیکن صفوک لهم و میلک معهم خواص سے زیادہ (حسب ذیل
 پرائیاں) رکھنے والا اور کوئی نہیں ہوتا۔

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لئے سب سے زیادہ

بارخاطر۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنے والا۔

:: مطلب یہ ہے کہ تمہارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ

فائدہ پہنچا سکے۔ تاکہ وہ تم کو محبوب سمجھنے لگیں، کہ اصل میں حکومت کی بقا

عامۃ الناس ہی کی خوشنودی پر مبنی ہے۔

(۳) انصاف و عدل سے نفرت کرنے والا -

(۴) سوال کرنے میں ییحد اصرار کرنے والا -

(۵) اگر عطیات ملایں تو سب سے کم شکر گزار -

(۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست -

(۷) حوادثِ زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا -

(طبقہ خاص کا تو یہ حال ہے ، برخلاف اس کے)

عامۃ الناس ستون دین اور نظامِ مسلمین ہوتے ہیں ، دشمنوں کے مقابلے میں تیار فوج کا کام دیتے ہیں - پس تمہارا رجحانِ خاطر اور میلانِ طبع انہی کی طرف ہونا چاہئے -

۷- چغل خور سے بچو

ولیکن ابعء رعیتك منك و تم کو چاہئے کہ رعیت کا جو
اشناءہم عندك اطلبہم لمعائب آدمی لوگوں کی عیب جوئی
الناس فان فی الناس عیوبا میں زیادہ مشغول رہتا ہو اس
الوالی احق من سترھا فلا کو اپنے پاس سے بہت دور
تکشفن عما غاب عنك منها رکھو ، کیونکہ لوگوں میں
فانما علیک تطہیر ما ظہر لك عیوب تو ضرور ہوتے ہیں -
واللہ یحکم علی ما غاب عنك اور والی سے زیادہ ان عیوب

فاسترالعورة ما استطعت يسترالله کی پردہ پوشی کا حق کس
منك ماتحب ستره من کو ہو سکتا ہے۔ پس جو
رعيتك۔ عیوب تمہاری نظر سے پوشیدہ

ہیں ان کی تلاش نہ کرو، کیونکہ تم پر تو انہی عیوب
کا ازالہ کرنا فرض ہے جو ظاہر ہوں اور جو تمہاری نظر سے
پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا۔ پس حتی الامکان
لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو، تاکہ خدا بھی تمہارے وہ
عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

-۸-

اطلق عن الناس عقدة كل حقد لوگوں کے (دلوں سے) ہر قسم
واقطع عنك سبب كل وتر کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے
وتغاب عن كل مالا يصح لك اور ہر طرح کی عداوت کے
ولا تعجلن الى تصديق ساع سبب کو دفع کرتے رہو اور
فان الساعى غاش و ان تشبه جو امور تمہارے لئے مناسب
بالناصحين۔ نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے

رہو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو
کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے اگرچہ وہ

ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

۹۔ مشیر کیسا ہونا چاہئے ؟

ولا تدخل فی مشورتك اپنے مشورہ میں اس بخیل
بخیلا يعدل بك عن الفضل و کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم
يعدك الفقر ولا جانا يضعفك کو (رعایا پر) تفضل کرنے
عن الامور ولا حريصاً یزین سے روکے اور فقیر ہو جانے کا
لك الشره بالجور فان البخل خوف دلائے۔ اور نہ اس
والجبن والحرص غرائز شتی بزدل کو (شریک کرو) جو تم
يجمعها سوء الظن بالله۔ کو انصرام امور میں کمزور بنائے

اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص و طمع کو
تمہاری نگاہ میں زینت دے۔ بات یہ ہے کہ بخل، جبن اور
حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع (اور
قدر مشترك) اللہ کی طرف سے سوء ظن :: ہے

انتخاب وزراء ۱۰۔

ان شرو زرائك من كان تمہارا سب سے برا وزیر وہ

:: مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم اور اسکی قدرت کا مالہ کا یقین

نہیں رکھتا وہی ان بری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔

للاشرار قبلک وزیراً ومن
 شرکھم فی الاثام فلا یكونن
 لک بطانة فانهم اعوان الاثمہ
 و اخوان الظلمة و انت واجد
 منهم خیر الخلف ممن له مثل
 ارائهم و نفاذهم و لیس علیہ
 مثل اصارهم و اوزارهم ممن
 لم یعاون ظالماً علی ظلمہ ولا اثمآ
 علی اثمہ اولئک اخف علیک
 مؤونة و احسن لک معونة و
 احنی علیک عطفاً و اقل لغیرک
 الفأ فاتخذ اولئک خاصۃ
 لجلواتک و حفلاتک ثم لیکن
 آثرهم عندک اقولهم بمراحق
 لک و اقلهم مساعدة فیما یكون
 منک ما کره الله لاولیائہ واقعآ
 من هواک حیث وقع -

شخص ہوگا جو تم سے پہلے
 اشار کا وزیر اور معاصی میں
 ان کا شریک رہ چکا ہو، پس
 لازم ہے کہ وہ تمہارے خواص
 میں داخل نہ ہونے پائے،
 کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں
 کے مددگار اور ظالموں کے
 بھائی ہوتے ہیں، تم کو ان
 کے اخلاف میں وہ لوگ مل
 سکتے ہیں جو انہی کی طرح
 صاحب الرائے اور صاحب نفوذ و
 اثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں
 کا بار بھی اپنی گردن پر نہ
 رکھتے ہوں (یہ ایسے لوگ
 ہوں گے) کہ انہوں نے کسی
 ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی
 گنہ گار کی تائید اس کے گناہ

میں نہ کی ہوگی، وہ لوگ تمہارے لئے نہایت سبک بار، اچھے مددگار، اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمہارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی، پس تم انہی لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہم نشین بناؤ، اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمہاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جن کو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لئے پسند نہیں کرتا خواہ وہ تمہاری خواہش دل کے کتنا ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

خوشامد پسند نہ بنو

۱۱۔

والصق باهل الورع والصدق اهل ورع و صدق سے ملو
ثم رضهم على ان لا يطروك اور ان کو اس کا عادی
ولا يبجحوك بياطل لم تفعله فان بنالو کہ تمہاری زیادہ تعریف
كثرة الاطراء تحدث الزهو نہ کیا کریں اور کسی ایسے
وتدنى من العزة کام کو جو تم نے کیا نہ ہو
جھوٹ موٹ تمہاری طرف منسوب کر کے تمہارا دل خوش نہ
کریں؛ کیوں کہ مدح و ثنا کی کثرت عجب و نخوت پیدا کرتی
ہے اور کبر و غرور سے قریب کر دیتی ہے۔

۱۲۔ اچھے اور برے کا فرق —

ولا يكون المحسن و المسئى نيك عمل اور بدکار دونوں
عندك بمنزلة سواء فان في تمہارے نزدیک برابر نہ ہوں
ذالك تزهيداً لاهل الاحسان اس لئے کہ ایسا کرنا نیکوں
في الاحسان و تدريبا لاهل کو اچھے کام سے روگردان
الاساءة على الاساءة والزم اور بدکاروں کو برے کام
کلامنہم ما الزم نفسه کا خوگر بنادیتا ہے؛ اس لئے
ہر شخص کو اسی :: (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو
اس نے اپنے نفس کے لئے لازم کر لیا ہے۔

۱۳۔ حسن ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے ؟

واعلم انه ليس شئى بادعى الى یہ جان لو کہ اس سے زیادہ
حسن ظن راع برعيتہ من احسانہ کوئی شئی حاکم کے دل میں
اليهم و تخفيفه المؤمنات رعيت کی طرف سے حسن ظن
عليهم و ترك استكراہہ پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ

:: مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والے کو انعام و اکرام کا مستحق ٹھہراؤ کہ

دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب ہو اور بداعمال کو سزا دو کہ اسکو دیکھ کر

اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

ایام علی ما لیس قبلہم فلیکن ان کے ساتھ احسان کرنے
منک فی ذالک امر یجمع لك اور ان کے بار کو ہلکا کرتا
بہ حسن الظن برعیتك فان رہے، اور ایسے امور پر انکو
حسن الظن یقطع عنك نصبا مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان
طویلا وان احق من حسن کے بس کے نہیں ہیں۔ پس
ظنك بہ لمن حسن بلاؤك عنده تم سے وہی بات ظاہر ہو جو
وان احق من ساء ظنك بہ تمہارے دل میں رعیت کی
لمن ساء بلاؤك عنده۔ طرف سے حسن ظن پیدا
کر سکے، یہ حسن ظن تمہارے بہت سے تعب کو دور کر دے
گا اور فی الحقیقت وہی شخص تمہارے حسن ظن کا زیادہ
حقدار ہے جس کے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوء ظن
کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے برا سلوک کیا ہے ::

۱۴۔ قدامت پسندی اور تجدد

ولا تنقض سنة صالحة عمل بها اور تم اس اچھی سنت (طریقہ
صدور هذه الامة و اجتمعت وقاعدہ) کو نہ توڑو جس پر

:: مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم
نے نیک سلوک کیا ہو، جس کے ساتھ برائی کی ہے اس سے سوائے برائی کے تم کو اور
کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

بہا الالفة وصلحت علیہا الرعیۃ اس امت کے اگلے لوگ عمل
 ولا تحداث سنۃ تضر بشیء من کرتے رہے ہیں، جس سے
 ماضی تلك السنن فیکون الاجر امت کے درمیان رشتہ الفت
 لمن سنہا والوزرعلیک بما قائم ہے اور جس پر رعیت
 نقضت منها کی صلح و صفائی کا مدار ہے۔
 اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو (ان اچھی) سنن قدیمہ
 میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اس کو ملے گا
 جس نے یہ سنت جاری کی تھی، اور اس کو توڑ دینے کا سارا
 وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

-۱۵

واکثر مدارس العلماء و منافقة اور ان امور کے ثابت و قائم
 الحکماء فی تثبیت ما صلح علیہ رکھنے کے لئے جن کی وجہ سے
 امر بلادک و اقامۃ ما استقام بہ تم سے پہلے (اس ملک کے)
 الناس قبلک شہروں کے معاملات روبہ
 اصلاح رہے اور (وہاں رہنے والے) لوگوں کی خوش حالی
 قائم رہی، علماء و حکماء سے بکثرت صلاح و مشورہ کرتے
 رہا کرو۔

طبقات رعایا

- ۱۶

واعلم ان الرعية طبقات لا يصلح واضح ہو کہ رعیت کے کئی
بعضها الا ببعض ولا غنى طبقے ہوتے ہیں (ان کے
بعضها عن بعض فمنها جنود درمیان رشتہ اتحاد و سلسلہ
و منها كتاب العامه والخاصہ احتیاج اس طرح قائم ہے کہ)
و منها قضاة العدل و منها ایک کے بغیر دوسرے کی
عمال الانصاف والرفق و منها اهل اصلاح حال نہیں ہو سکتی
الجزیه و الخراج من اهل الذمة اور نہ ایک دوسرے سے کبھی
ومسلمة الناس و منها التجار و اهل مستغنی ہو سکتا ہے (اب
الصناعات و منها طبقة السفلى ان طبقات کی تفصیل سنئے)
من ذوی الحاجة والمسكنة وكلا (۱) فوج اور پولیس (۲) عام
قدسمی الله سهمہ و وضع علی کاتب (General Secretaries)
حدہ فریضہ فی کتابہ اوستہ (۳) خاص کاتب (Private)
نیہ صلی اللہ علیہ والہ عہداً منہ Secretaries :: (۴) قاضی
عند نا محفوظاً (Judges) (۵) اور محکمہ عدل
کے دوسرے عمال (Judicial Officers) (۶) ذمی اور ہمارے

:: اس زمانہ میں کاتب سکرٹری کو کہتے تھے۔

حلقہ اطاعت میں آئے ہوئے لوگ جو جزیہ اور خراج ادا کرتے ہیں (۷) تہجار (۸) اہل صنعت و حرفت (۹) سوسائٹی کا پست ترین طبقہ یعنی محتاج و مساکین - خداوند عالم نے ان میں سے ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ حق (Right) اور فریضہ (Obligation) اپنی کتاب یا اپنے نبی (صلی اللہ علیہ والہ) کی سنت میں مقرر فرمایا ہے؛ اور یہ بطور اس کے عہد محفوظ کے ہمارے پاس موجود ہے۔

لشکر

۱۷-

فالجند باذن الله حصون الرعيه فوج اور پولیس اللہ کے حکم سے
وزين الولاة وعزالدين وسبل رعيت کے لئے قلعہ اور جائے
الامن وليس تقوم الرعيه الا بهم محفوظ، والى كى زينت اور دين
ثم لاقوام للجند الا بما كے لئے باعث عزت اور سبيل
يخرج الله لهم من الخراج الذى امن وامان هوتى ہے۔ رعيت
يقسرون به على جهاد عدوهم (كى اجتماعى و تمدنى حالت)
ويعتمدون عليه فيما يصلحهم بغير اس كے قائم نهين ره سكتى؛
ويكون من وراء حاجاتهم اور ره فوجين بغير اس خراج
ثم لاقوام لهذين الصنفين الا كے قائم نهين ره سكتين جو

بالضف الثالث من القضاة
والعمال والكتاب لما يحكمون
من المعاهد و يجمعون من
المنافع و يوتنون عليه من
خواص الامور وعوامها - ولا
توام لهم جميعاً الا بالتجار و
ذوى الصناعات فيما يجتمعون
عليه من مراقبهم و يقيمونه
من اسواقهم و يكفونهم من
الترفق بايديهم ما لا يبلغه رفيق
غيرهم ثم الطبقة السفلى من
اهل الحاجة والمسكنة الذين
يحقق رفقهم و معونتهم وفي الله
لكل سعة ولكل على الوالى حق
بقدر ما يصلحه وليس يخرج الوالى
من حقيقة ما الزمه الله من ذلك
الا بالاهتمام والاستعانة بالله

خدا نے ان کے لئے معین کیا
ہے، اس سے وہ دشمن سے لڑنے
میں قوت پاتی ہیں اور اس کے
وسیلہ سے اپنے مصالح و لوازم
کو مہیا کرتی ہیں؛ اور یہ ان
کی تمام حاجتوں کو پورا کرتا
ہے۔ پھر یہ دونوں طبقے (یعنی
رعایا اور فوج) بغیر تیسرے طبقہ
یعنی قضاة، عمال اور کاتب
لوگوں کی مدد کے قائم نہیں
رہ سکتے، کیونکہ (اول الذکر)
ان کے معاملات کا فیصلہ
کرتے ہیں، (ثانی الذکر) ان
کے لئے ہر طرح کے منافع جمع
کرتے ہیں اور (ثالث الذکر)
ان کے جملہ امور خاص و
عام کے امین ہوتے ہیں۔

Checked
1987

و توطينہ نفسہ علی لزوم الحق (قضاۃ، عمال و کتاب) سب
والصبر علیہ فیما خف علیہ کے سب بغیر تبحار اور اہل
او ثقل۔ صنعت و حرفت کے قائم نہیں

رہ سکتے، کیونکہ تاجر اپنے منافع کے لئے مجتمع ہوتے ہیں
اور بازار قائم کرتے ہیں، اہل صنعت اپنے ہاتھوں کی کاریگری
سے سوسائٹی کی ایسی مدد کرتے ہیں کہ دوسروں کا اکتساب
اور کاریگری اس کی حد تک نہیں پہنچ سکتی۔ رہا سب سے
پست طبقہ محتاج و مساکین کا تو ان کی اعانت و دستگیری کرنا
فرض ہے؛ اللہ نے ہر ایک کو وسعت عطا کی ہے اور بقدر اپنی
صلاحیت کے ہر ایک کا والی پر حق ہے۔ اور والی بغیر اس
کے کہ اہتمام بلیغ کرے اور خدا سے مدد چاہے اور اپنے
نفس کو حق پر قائم رکھنے اور ہر ایک سبک و گراں امر
پر صبر و شکر کی قوت پیدا کرے، ان تمام فرائض کو جو
خدا نے اس پر لازم کئے ہیں پورا پورا ادا کر کے بری الذمہ
نہیں ہو سکتا۔

فول من جنودك انصحهم اپنی فوجوں پر اس شخص کو
فی نفسک للہ و لرسولہ و افسر مقرر کرو جو تمہارے

ولامامك وانقام جيا و افضلهم خیال میں اللہ، اس کے رسول
 حلماً بمن یطغى عن الغضب و اور تمہارے امام سے بنسبت
 یستریح الی العذر و یراف بالضعفاء دوسروں کے زیادہ اخلاص
 و ینبوعلی الا قویاء و بمن رکھتا ہو، سب سے زیادہ
 لا یشیرہ العنف ولا یقعدہ صاف باطن ہو اور بلحاظ
 الضعف۔ حلم و عقل سب سے افضل

ہو؛ اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کر لیتا ہو،
 ضعیفوں پر مہربان، اور قوی لوگوں پر سخت ہو، قساوت قلب
 کی وجہ سے تند مزاج، اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو۔

ثم الحق بذوی الا حساب (فوج میں اچھے سپاہیوں کی
 و اهل البيوتات الصالحة بھرتی اور افسروں کے انتخاب
 والسوابق الحسنة ثم اهل النجدة و تقرر کے لئے ضروری ہے کہ)
 والشجاعة والسخاء والسماحة ان لوگوں سے اختلاط و ارتباط
 فانهم جماع من الکرم و شعب رکھو جو صاحبان حسب و
 من العرف ثم تفقد من امورهم نسب، شریف خاندان اور
 ما یتفقد الوالدان من ولدہما خویوں کی طرف سبقت کرنے
 ولا یتفاقم فی نفسک شیء والے ہوں (یا جن کی سابقہ

قوتہم بہ ولا تحقرن لطفاً خدمات کا ریکارڈ عمدہ ہو
 تعاهدتہم بہ وان قل، فانہ اور ان لوگوں سے بھی ربط
 داعیہ لہم الی بذل النصیحتک ضبط رکھو جو اہل شجاعت
 و حسن الظن بک ولا تدع و سخاوت ہوں کہ یہی لوگ
 تفقد لطیف امورہم اتکالا مجمع مکارم اور فروع حسنات
 علی جسیمہا فان للیسیر من ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے امور
 لطفک موضعاً یتفعون بہ کی ایسی دیکھ بھال کرتے
 وللجسیم موقعا لا یتغنون عنہ رہو جیسے والدین اپنی اولاد
 کی (نگہداشت) کرتے ہیں؛ اور تم اپنے دل میں کسی ایسی
 چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا
 نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں) اور
 کسی مہربانی کو جو تم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو
 اگرچہ (واقعی) وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ بھی ان کے
 دل میں تمہاری طرف سے خلوص و حسن ظن پیدا کرنے کا
 باعث ہوتی ہے۔

و لیکن آثر رؤس جندک اور ان کے چھوٹے چھوٹے
 عندک من واساھم فی معونتہ امور کی خبر گیری کرنا اس

و افضل علیہم من جدتہ بھروسہ پر نہ چھوڑو کہ تم نے
 بما یسعہم و یسع من ورائہم ان کے بڑے امور کی دیکھ
 من خلوف اہلیہم حتی یکون بھال کر لی ہے، کیونکہ تمہاری
 ہمہم ہماً واحداً فی جہاد العدو تھوڑی مہربانی بھی بر محل
 فان عطفک علیہم یعطف قلوبہم ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع
 علیک و ان افضل قرۃ عین ہوتے ہیں، اور بڑی عنایت
 الولاۃ استقامہ العدل فی البلاد بھی باموقع ہوتی ہے جس
 و ظہور مودۃ الرعیۃ و انہ لا سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔
 تظہر مودتہم الا بسلاۃ صدورہم اور فوج کے افسروں میں سے
 ولا تصح نصیحتہم الا بحیطتہم اسی کو تمہارے حضور میں
 علی ولاۃ امرہم و قلة استقال ترجیح ہونی چاہئے جو
 دولہم و ترک استبطاء انقطاع (فوجیوں) کی غمخواری کرتا
 مدتہم فافسح فی امالہم و واصل ہو، اور اپنے مال و دولت سے
 فی حسن الثناء علیہم و تعدید ما الی ان کو اتنا فیض پہنچاتا ہو
 ذو و البلاء منہم فان کثرة الذکر کہ ان کے لئے اور ان کے اہل
 لحسن افعالہم تہز الشجاع و عیال کے لئے جن کو وہ
 و تحرض الناکل انشاء اللہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں

کافی ہوسکے ، یہاں تک کہ ان کو ایک ہی فکر باقی رہ جائے
یعنی دشمن سے جہاد ، اور بس ؛ ان کے حال پر تمہاری یہ توجہ
ان کے قلوب کو تمہاری طرف مائل کرے گی ۔

اور والیان ملک کے لئے بہترین خنکئی چشم (اور مسرت
قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف قائم
ہو ، اور رعیت کی مودت و محبت ظاہر ہونے لگے ، اور
جب تک ان کے دل سالم اور (صاف) نہ ہوں ان کی طرف
سے محبت ظاہر نہیں ہوتی ۔ اور ان کا اخلاص اس وقت تک
درست (وقابل اعتبار نہیں ہو سکتا) جب تک کہ وہ اپنے
والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں ، اس کے عہدِ دولت کو
گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اس کی
مدتِ حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی ؛ پس تم ان
کی امیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر ان کی
مدح و ثنا کرتے رہو ، اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے
کام انجام دئے ہوں ان کا ایک ایک کر کے شمار و اظہار کرتے
رہو ، کیونکہ اچھے کار ناموں کا بکثرت ذکر کرنا شجاع کو حرکت
میں لائے گا اور پست ہمت کو جرات دلائے گا انشاء اللہ ۔

ثم اعرف لكل امرء منهم مالى پھر یہ واقفیت حاصل کرتے
 ولا تضيقن بلاء امرء الى رہو کہ کس نے کونسا بڑا کام
 غيره ولا تقصرن به دون غاية انجام دیا ہے؟ اور ايك کے
 بلائه ولا يدعونك شرف کارنامے کو دوسرے کی طرف
 امرء الى ان تعظم من بلائه منسوب نہ کرو اور اس کارنامے
 ماكان ضغيراً ولا ضعة امرء الى کی وجہ سے وہ جس انعام و
 ان تستصغر من بلائه ماكان اکرام کا مستحق ہو اس میں
 عظيماً واردد الى الله ورسوله کمی نہ کرو۔ (اور دیکھنا ایسا
 ما يضلحك من الخطوب ويشبهه نہ ہو کہ) کسی آدمی کی
 عليك من الامور فقد قال الله وجاہت و شرافت تم کو اس
 تعالى لقوم احب ارشادهم طرف مائل کردے کہ تم اس
 ”يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله کے چھوٹے کاموں کو بڑا
 واطيعوا الرسول واولى الامر سمجھنے لگو اور کسی کی
 منكم فان تنازعتم فى شئ فردوه کم حیثیتی اس بات کی ترغیب
 الى الله والرسول“ دلائے کہ تم اس کے بڑے

کاموں کو بھی حقیر جانتے لگو۔ اور جونا گہانی مشکلات تم
 کو پیش آئیں اور جن امور میں تم کو شك و شبہ لاحق ہو ان کو

خدا اور اس کے رسول کی طرف رد کر دیا کرو، کیونکہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی بابت جن کو وہ راہ ہدایت دکھانا چاہتا ہے فرمایا ہے ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اور جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں ان کی اطاعت کرو، پس اگر کسی چیز پر تم میں تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف اس کو رد کر دو۔“

فالرد الى الله الاخذ بمحكم خدا کی طرف رد کرنے کا کتابہ والرد الى الرسول الاخذ مطلب یہ ہے کہ اس کی محکم بسنة الجامعة غير المفرقة۔ کتاب سے احکام لئے جائیں اور رسول کی طرف رد کرنے سے یہ مقصد ہے کہ ان کی ایسی سنت پر عمل کیا جائے جو متفق علیہ ہے، نہ کہ ایسی سنت جس میں اختلاف ہے۔

محکمہ قضا

- ۱۸

ثم اختر للحكم بين الناس افضل لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے رعيك في نفسك ممن لا کے لئے ایسے شخص کو منتخب تضيق به الامور ولا تمحكه کرو جو تمہارے خیال میں الخصوم ولا يتبادى في الزلة تمہاری ساری رعیت میں افضل

ولا يحصر من الفئ الى الحق هو، معاملات (کی پیچیدگی)
 اذا عرفه ولا تشرف نفسه على اس کو تنگی میں نہ ڈالتی ہو،
 طمع ولا يكتفى بادنى فهم جھگڑا کرنے والوں (کی رد و
 دون اقصاء ووقفهم في الشبهات قدح) اس کو غضبناك نہ کرتی
 اخذهم بالحجج واكلهم تبرما ہو، اور وہ خطا پر (اس کے
 بمراجعة الخصم واصبرهم على ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ
 تكشف الامور واصرمهم عند رہتا ہو اور حق پر مطلع
 اتضاح الحكم من لا يزدنيه اطراء ہو جانے کے بعد اس کی طرف
 ولا يستميله اغراء واولئك قليل بازگشت کر لینے سے تنگ دل
 ثم اكثر تعاهد قضاؤه و نہ ہوتا ہو، اور اپنے نفس
 افسح له في البذل ما يزيل کو طمع (کے غار) میں نہ
 علقه و تقل معه حاجته الى الناس گرا دیتا ہو، اور معاملات میں
 واعطه من المنزلة لديك ما لا انتہائے فہم سے کام لینے کے
 يطمع فيه غيره من خاصتك بجائے (سرسری نظر اور)
 ليا من بذالك اغتيال الرجال له معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا
 عندك فانظر في ذلك نظراً ہو، مواقع شبہات میں (جہاں
 بليغا فان هذا الدين قد كان کوئی نص صریح نہ مل سکے

اسیراً فی ایدی الاشرار یعمل اٹکل مچو حکم صادر کرنے
 فیہ بالہوی و تطلب بہ الدنیا۔ والا نہ ہو بلکہ) سب سے
 زیادہ توقف و تامل کرنے والا ہو، اور اپنے (فیصلوں میں)
 دلائل (شرعیہ) و براہین (قطعہ) سے تمسک کرنے والا ہو،
 مقدمہ لڑنے والے کی جواب دہی سے بہت کم تنگ دل اور
 حقائق امور کو منکشف کر لینے (کی زحمت) پر صبر کرنے
 والا، اور حکم صحیح کے ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع و
 خصومت) کو قطع کر دینے والا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو
 دوسروں کے مدح و ثنا (اور خوشامد) کرنے سے پھول نہ جاتے
 ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہو
 جاتے ہوں، (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں؛ پھر
 تم (اس کی طرف سے غافل نہ رہو بلکہ) اس کے فیصلوں کی
 اکثر دیکھ بھال کرتے رہو، اور اس کے ساتھ بذل و عطا میں
 اتنی وسعت دو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اس کو
 لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر
 مائل نہ ہو) اپنے نزدیک اس کو وہ قرب و منزلت عطا کرو کہ
 جسکی تمہارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کر سکتا ہو،

تا کہ وہ تمہارے ہاں لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور و فکر کرو، کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، ہوائے نفس کے حکم کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اس کو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

۱۹۔ عمال سلطنت

ثم انظر في امور عمالك اب اپنے عاملوں کے امور پر فاستعملهم اختباراً ولا تولهم غور کرو، (دیکھنا) ان کا محابة و اثره فانهم جماع من تقرر جانچنے پر کھنے کے بعد شعب الجور والحياة و توخ منهم کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے اهل التجربة والحياء من استبداد اور خودرائی سے اهل البيوتات الصالحة والقدم محض بطور پرورش و اعانت في الاسلام المتقدمة فانهم اکرم کسی کو حاکم مقرر کر دو (کیونکہ اخلاقاً واضح اعراضاً و اقل کسی خصوصیت کی بنا پر یا في المطامع اشرافاً و ابلغ في بطور پرورش اپنی رائے سے عواقب الامور نظراً ثم اسبغ حاکم مقرر کر دینا) طرح عليهم الارزاق فان ذالك قوة طرح کی خیانت اور ظلم و

لهم على استصلاح انفسهم جور کو جمع کر دیتا ہے۔
 و غنى لهم عن تناول ما تحت (ان عہدوں کے لئے) ایسے
 ايديهم و حجة عليهم ان لوگوں کو تلاش کرو جو
 خالفوا امرك و ثلموا امانتك شریف خاندان اور سابق
 ثم تفقد اعمالهم و ابعث الاسلام ہونے کے ساتھ
 العيون من اهل الصدق و الوفاء ساتھ تجربہ کار اور حیا دار
 عليهم فان تعاهدك فى السر بھی ہوں، کیونکہ ایسے لوگ
 لامورهم حدوة لهم على استعمال سب سے زیادہ خوش اخلاق،
 الامانة و الفرق بالرعية و تحفظ آبرو دار، مواقع طمع کی
 من الاعوان فان احد منهم طرف بہت کم نگاہ ڈالنے والے
 بسطيده الى خيائه اجتمعت اور عواقب و نتائج امور پر
 بها عليه عندك اخبار عيونك گہری نظر ڈالنے والے ہوتے
 اكتفيت بذالك شاهداً ہیں، تم ان کو پورا پورا
 فبسطت عليه العقوبة فى بدنه رزق عطا کرو کیونکہ اس
 و اخذته بما اصاب من عمله کی بدولت انہیں اپنے نفس
 ثم نصبته بمقام المذلة و کے لئے طلب اصلاح کی قوت
 وسمته بالخيانة و قلده عار التهمة اور اپنے قبضہ میں رہنے والے

اموال پر تصرف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے گا؛ اور (اس کے باوجود) اگر وہ تمہارے حکم کی مخالفت کریں اور تمہاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی۔ اور (یہ نہ ہو کہ تم ان کا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تجسس و تفتیش بھی کرتے رہو اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کرو جو صاحب صدق و وفا ہوں؛ ان کے امور (کی جانچ) کے لئے خفیہ پولیس کا مقرر کر دینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارا کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا۔ پس ان میں سے اگر کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے پاس تمہارے جاسوسوں کی متفقہ رپورٹ پہنچ جائے تو اس کو کافی شہادت تصور کر کے خائن کو جسمانی سزا دو اور جو کچھ اس نے (ناجائز) تصرف کیا ہے وہ اس سے وصول کر لو، پھر اس کو ذلت و خواری کے مقام پر کھڑا کر کے خیانت کا داغ لگا دو اور ننگ و عار کا طوق اس کے گلے میں ڈال دو۔

۲۰۔ سیغہ مال گذاری Revenue Department

و تفقد امر الخراج بما یصلح پھر معاملات خراج کی چھان بین

اہلہ فان فی صلاحہ وصلاحہم اس طریقہ سے کرو جو
 صلاحاً لمن سواہم ؛ ولا صلاح اہل خراج کی بہودی کا
 لمن سواہم الا بہم لان الناس باعث ہو سکے ، کیونکہ خراج
 کلہم عیال علی الخراج واہلہ اور اہل خراج ہی کی بہودی
 ولیکن نظرك فی عمارة الارض کے ساتھ دوسروں کی بہودی
 ابلغ من نظرك فی استجلاب وابستہ ہے ، اور انہی کے
 الخراج لان ذالك لا یدرك ذریعہ سے دوسروں کی حالت
 الا بالعمارة . ومن طلب الخراج درست ہو سکتی ہے ، کیونکہ
 بغير عمارة اخرب البلاد و کل آدمیوں کی معیشت اور
 اهلك العباد ولم یستقم امرہ گذر بسر کا دار و مدار خراج
 الا قليلا . فان شکوا ثقل اوعلة اور اہل خراج پر ہے ۔ اور
 او انقطاع شرب او بالہ او (دیکھنا) خراج وصول کرنے
 احالة ارض اغتمر هاغرق سے زیادہ تمہاری نظر زمین
 او احجف بها عطش خفت کی آبادی (یعنی کاشت وغیرہ)
 عنهم بما ترجو ان یصلح بہ پر ہونی چاہئے ، اس لئے کہ
 امرهم ولا یثقلن علیک شی خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل
 خفت بہ المؤونة عنهم فانہ ہو سکتا ۔ اور جس نے

ذخریعودون بہ علیک فی عمارۃ زمین کو آباد کئے بغیر خراج
 بلادک و تزیین ولایتک مع طلب کیا اس نے ملک کو
 استجلابک حسن ثنائہم خراب اور بندگانِ خدا کو
 و تبجحک باستفاضة العدل فیہم برباد کیا ، اور اس کی
 معتمداً فضل قوتہم بماذخرت حکومت چند دن سے زیادہ
 عندهم من اجمامک لہم والثقة نہ چل سکی ، اگر (کاشتکار)
 منہم بما عودتہم من عدلک مقدار خراج کے بھاری ہونے
 علیہم فی رفقک بہم ، فرماحدث یا کسی آفت ناگہانی اور
 من الامور ما اذا عولت فیہ زراعتی بیماری (یعنی ٹڈی دل
 علیہم من بعد احتملوہ طیبة کا گرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ)
 انفسہم بہ فان العمران محتمل یا آیشی کے بند ہو جانے ،
 ما حملتہ ، وانما یؤتی خراب بارش نہ ہونے ، زمین کے
 الارض من اعوازاہلہا ، وانما غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب
 یعوز اہلہا لاشراف انفس نہ ہو سکے سے بوٹے ہوئے
 الولاۃ علی الجمع و سوء ظنہم بیج کے خراب ہو جانے کی
 بالبقاء و قلة انتفاعہم بالعبر شکایت کریں تو (ان کے
 خراج) سے اتنی مقدار جس سے ان کی اصلاح حال کی توقع

ہو کم کر دو؛ یہ تخفیف تم پر گراں نہ گزے، کیونکہ یہ ایک
 ذخیرہ (investment) ہے جسکو وہ تمہارے ملک کی آبادی
 اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کر دیں
 گے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ تم کو ان کی مدح و ثنا بھی
 حاصل ہوگی اور ان میں عدل و انصاف جاری کرنے سے
 تم کو مسرت و شادمانی بھی نصیب ہوگی۔ ان کو راحت
 پہنچا کر جو کچھ تم نے ان کے پاس ذخیرہ (Invest) کیا ہے
 وہ (خوش حالی اور فراوانی کے زمانہ میں) ان کی بچی ہوئی
 روزی سے وصول کر کے (عندالضرورت) سہارا بناسکو گے؛
 ان کے ساتھ نرمی کر کے اور ان کو اپنے عدل و انصاف کا
 عادی بنا کر ان کا اعتماد بھی حاصل کر لو گے۔ اس کے بعد
 اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے اور تم ان سے مدد طلب کرو گے
 تو وہ بخوشی اس کا بار اٹھا لیں گے، کیونکہ (ملک کی) آبادی
 و خوش حالی ہر بار اٹھا سکتی ہے، اور زمین والوں کا افلاس
 ہی زمین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ اور افلاس کا سبب یہ ہوتا
 ہے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت) جمع کرنے پر مائل
 ہو جاتے ہیں، ان کو اپنے (عہدوں پر) باقی رہنے کا اطمینان

نہیں رہتا اور (زمانے کے) عبرت ناک (واقعات) سے وہ بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں ۔

Secretariat

- ۲۱

ثم انظر في حال كتابك فول
 علی امورك خیرم و انحص
 رسائلك التي تدخل فيها
 مكائذك و اسرارك باجمعهم
 لوجوه صالح الاخلاق ممن
 لا تبطره الكرامة فيجترئ بها
 عليك في خلاف لك بحضرة
 ملاء ولا تقصر به الغفلة عن
 ايراد مكاتبات عمالك و اصدار
 جواباتها علی الصواب عنك
 فيما ياخذ لك و يعطى منك
 ولا يضعف عقداً اعتقده لك
 ولا يعجز عن اطلاق ما عقد
 عليك ولا يجهل مبلغ قدر
 پھر تم اپنے کاتبوں (دیروں ،
 سکریٹریوں) کے حالات پر
 نظر کرو، ان میں سے بہتر
 شخص کو اپنے (خاص) امور
 پر معین کرو، اور ان خطوط
 و رسائل کو جن میں اپنی
 پوشیدہ تدابیر و اسرار درج
 کرتے ہو اسی کے ساتھ
 مخصوص رکھو جو صاحب
 اخلاق حسنہ ہو، اور عزت
 و کرامت اس کو اتنا مغرور نہ
 کردے کہ مجمع عام میں تمہاری
 مخالفت کریٹھے اور غفلت
 کی وجہ سے تمہارے عمال کے

نفسه في الامور فان الجاهل عريضے پیش کرنے اور
 بقدر نفسه يكون بقدر غيره تمھاری طرف سے جو کچھ
 اجہل ثم لا یکن اختیارک لین دین کرتا ہو اس کے
 ایاہم علی فراستک واستنامتک متعلق تمھاری طرف سے مناسب
 وحسن الظن منک فان الرجال جوابات صادر کرنے میں
 یتعرفون لفراسات الولاۃ کوتاہی نہ کرتا ہو، اور تمھارے
 بئصنعہم وحسن خدمتہم لئے کسی سے کوئی کمزور معاملہ
 و لیس وراء ذالک من النصیحة نہ کرتا ہو اور نہ کسی ایسے
 والدیاتۃ شیء ولکن اخترہم معاملے کے فسخ کردینے سے
 بما ولو للصالحین قلبک فاعمد عاجز ہو جو تمھارے لئے مضر
 لاحسنہم کان فی العامة اثرأ ہو، اور اس حقیقت سے
 و اعرفہم بالامانۃ وجہا فان بے خبر نہ ہو کہ (نظم و
 ذالک دلیل علی نصیحتک للہ نسق) امور میں میرے نفس
 و لمن ولیت امرہ واجعل کی رسائی کس حد تک ہے،
 لراس کل امرٍ من امورك کیونکہ جو اپنے نفس کی
 راساً منہم لا تقہرہ کیرہا قدر و قیمت سے ناواقف ہے
 ولا یتشتت علیہ کثیرہا ومہما وہ دوسرے کی قدر سے کیا

کان فی کتابک من عیب واقف ہوگا، (تم کو چاہئے
 فتغایت عنہ الزمتہ - کہ) محض اپنی عقل و فراست،
 اعتماد اور حسن ظن کی بنا پر ان کا انتخاب نہ کرو کیونکہ
 (بسا اوقات) لوگ محض تصنع اور حسن خدمت (چاپلوسی)
 ہی کو حکام کی نظر فراست میں تعارف اور روشناسی کا
 ذریعہ بناتے ہیں، حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا پتہ
 بھی نہیں ہوتا، پس ان کا انتخاب ان خدمات کی بنا پر کرو
 جو انہوں نے تم سے پہلے گذرے ہوئے صالح (حکام) کے
 لئے انجام دی ہیں، اس شخص کو (مقرر کرنے کا) قصد کرو
 جو عامۃ الناس میں سب سے زیادہ با اثر اور امانت داری میں
 مشہور ہو۔ تمہارا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہوگا کہ
 تم خداوند عالم اور اس (امام) کے مخلص ہو جس نے تم کو
 والی مقرر کیا ہے۔ اور اپنے (سکریٹریٹ) کے ہر صیغہ کا
 افسر ایسے آدمی کو بناؤ جو بڑے کاموں سے مغلوب اور ان کی
 کثرت کے سبب ان کے منضبط و محفوظ رکھنے سے عاجز نہ ہو۔
 پس جب تمہارے کاتبوں میں نقص ہوگا اور تم اس سے
 تغافل کرو گے تو اس کا الزام تمہارے ذمہ عائد ہوگا۔

تجار و صناع

ثم استوص بالتجار و ذوی ٲهر تم سودا گروں کی بابت ،
الصناعات و اوص بهم خیراً عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں
المقیم منهم والمضطرب بما له یا مال لیکر شہروں میں ٲہر نے
والمترقی بیدنه فانهم مواد المنافع والے ہوں ، نیز اہل صنعت و
واسباب المرافق و جلابها من حرفت کی بابت (جو اپنے
المباعد والمطارح فی برك وبحرك ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی
و سهلک و جبلک و حیث کماتے ہیں) سفارش قبول
لا یلتئم الناس لمواضعها ولا کرو اور اپنے (عمال) کو
یجتروں علیہا فانهم سلم ان کے ساتھ بھلائی کرنے
لا تخاف بائقته و صالح ولا کی وصیت کرو ، کیونکہ (تجار
تخشی غائلته و تفقد امورهم اور صناع) یہی لوگ منافع
بحضرتک و فی حواشی بلادک کے مواد اور فوائد کے اسباب
واعلم مع ذالک ان فی کثیر ہین ، ان کو وہ دور دست
منهم ضیقاً فاحشاً و شحاً مقامات ، بروجر ، دشت و
قیحاً احتکاراً للمنافع و تحکماً کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں ،
فی الیاعات و ذالک باب مضرة جہاں دوسرے لوگ جمع

للعامة و عيب على الولاة فامنع
 من لا احتكار فان رسول الله
 صلى الله عليه واله منع منه
 وليكن البيعاً سمحاً بموازين
 عدل و اسعار لا تجحف
 بالفریقین من البائع والمبتاع فمن
 قارف حكمة بعد نهيك اياه
 فكل به و عاقبه في غير اسراف
 و نگرانی اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو۔ مگر اس
 کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر
 لوگوں میں بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی
 موجود ہوتی ہے، نفع کمانے کے لئے احتکار :: کرتے ہیں اور
 بیچنے میں تحکم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ
 لیتے ہیں) یہ امر عامة الناس کے لئے نقصان رساں اور حکام
 کے لئے عیب ہے۔ پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ
 رسول خدا نے اس سے ممانعت فرمائی ہے؛ اور چاہئے کہ

:: احتکار۔ مال کو اس امید میں روکے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کر بیگے۔

خرید و فروخت سہل اور موازن عدل :: کے مطابق ہو اور
ایسے نرخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔
جو شخص تمہاری طرف سے ممانعت صادر ہو نے کے بعد بھی
احتکار کا مرتکب ہو اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس
میں بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔

۲۳۔ سماج کا سب سے پست طبقہ

ثم الله الله في الطبقة السفلى پھر خدا سے اس طبقہ ادنیٰ کی
من الذين لا حيلة لهم بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں،
والمساكين و المحتاجين مسکینوں، فقیروں، بیماروں
و اهل البؤسى و الزمنى فان اور اپاہجوں پر مشتمل ہے
في هذه الطبقة قانعا و معترا کہ اس طبقہ میں (دونوں ہی
واحفظ الله ما استحقك من طرح کے لوگ ہوتے ہیں) قناعت
حقه فيهم و اجعل لهم قسما من پیشہ بھی اور مانگنے والے
بيت مالك و قسما من غلات بھی، ان کے لئے اللہ کا وہ حق
صواني الاسلام في كل بلد محفوظ رکھو جس کی حفاظت
فان للاقصى منهم مثل الذي کا اس نے تم کو حکم دیا ہے

للادنى و كل قد استرعت (ان کی امداد دو مدوں سے
 حقه فلا يشغلنك عنهم بطر (کرو) ایک تو اپنے بیت المال
 فانك لا تعذر بتضييعك سے اور ایک ہر خطہ کی ان
 التافه لاحكامك الكثير المهم زمینوں کے غلوں سے جو
 فلا تشخص همك عنهم غنیمت میں حاصل ہوئی ہیں۔
 ولا تصرخدك لهم و تفقد امور کیونکہ ان میں دور رہنے
 من لا يصل اليك منهم والون کا بھی ویسا ہی حق
 من تقتحمه العيون و تحقره ہے جیسا قریب رہنے والوں کا،
 الرجال فصرغ لاولئك ثقتك اور تم ہر ایک کے حق کے
 من اهل الخشية والتواضع نگراں و محافظ بنائے گئے ہو،
 فليرفع اليك امورهم ثم اعمال پس (نعمت اور دولت کا) غرور
 فيهم بالاعذار الى الله يوم تلقاه تم کو غافل نہ کرے، کیونکہ
 فان هؤلاء من بين الرعية احوج صرف اس وجہ سے کہ تم اہم
 الى الانصاف من غيرهم و كل امور کو محکم طور پر سرانجام
 فاعذرا الى الله في تادية حقه دے چکے ہو قلیل و حقیر امور
 اليه و تعهد اهل اليتيم و ذوى کو ضائع کر دینے پر معذور نہیں
 الرقة في السن من لاحيلة له سمجھے جاسکتے، پس تم ان

ولا ينصب للمسألة نفسه و کی جانب سے اپنی توجہ کو نہ
 ذالك على الولاية ثقیل و قد ہٹاؤ اور اپنا چہرہ ان کی
 يخففه الله على اقوام طلبوا طرف سے نہ موڑو اور ان
 العاقبة فصبروا انفسهم و وثقوا میں سے جو لوگ تم تک نہ
 بصدق موعود الله لهم پہنچ سکتے ہوں، جن کو
 انکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں اور لوگ ان کو حقیر
 جانتے ہوں ان کے امور کا تجسس کرو اور ان کی خبرگیری
 کے لئے اپنے معتمد لوگوں میں سے (ایسے اشخاص) کو
 (دوسرے کاموں سے) فارغ کردو جو خدا کا خوف اور
 تواضع کی عادت رکھتے ہوں کہ وہ خبریں تم تک پہنچائیں،
 پھر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس دن تم خدا
 کے (دربار میں) شرف باریابی حاصل کرو تو (اسکے سامنے)
 عذر و معذرت پیش کر سکو۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے
 محتاج ہیں۔ لہذا ہر ایک کا حق اس کو ادا کر کے خدا کے
 سامنے (پیش کرنے کے لئے) عذر مہیا کرلو۔ اور ان یتیموں
 اور سن رسیدہ لوگوں کی خبرگیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش

کے لئے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور نہ دست سوال پھیلانے کے لئے دوسروں کے اگے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ امر (عام طور پر) والیوں کے لئے گراں ہوتا ہے، مگر اللہ نے ان قوموں کے لئے آسان کر دیا ہے جو آخرت کی طالب ہو کر اپنے نفوس کو (جفاکشی) پر صابر بناتی ہیں، اور جو وعدے اللہ نے ان سے کئے ہیں ان پر بھروسہ رکھتی ہیں۔

۲۴۔ دربارِ عام

واجعل لذوی الحاجات منك اور (اپنے اوقات کا) ایک قسماً تفرغ لهم فيه شخصك و حصہ اہل حاجت کے لئے تجلس لهم مجلساً عاماً فتواضع مخصوص کردو جس میں تم فيه لله الذی خلقك وتقعده عنہم اپنی ذات کو (دوسرے کاموں جندك واعوانك من احراسك سے) فارغ کرلو اور ایک و شرطك حتى يكلمك متكلمهم مجلس عام میں آئیٹھو اور غیر متمتع فانی سمعت رسول اس خدا کی خوشنودی کے اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ لئے جس نے تم کو خلق کیا يقول فی غیر موطن لن تقدس ہے اس مجلس عام میں امة لا یؤخذ للضعیف فیہا من متواضع اور منكسر المزاج

القوی غیر متتع ثم احتمل رھو۔ اپنی فوج، پولیس،
الخرق منهم والعی ونح عنہم اور چوکی۔ داروں کو اہل۔
الضیق والانف یبسط اللہ حاجت کے ساتھ تعرض کرنے
علیک بذالک اکناف رحمۃ سے باز رکھو تاکہ بوٹنے والے
و یوجب لک ثواب طاعتہ بے خوف و دہشت تم سے کلام
و اعط ما اعطیت ہنیاء کرسکیں۔ مین نے بہت سے
وامنع فی اجمال و اعدار مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”وہ امت جس میں بے خوف
و خطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس
نہیں کرتی۔“ ان کی سخت کلامی و بے زبانی کو برداشت
کرو اور تنگ دلی اور استکبار کو ان کی طرف سے دور کرو،
ایسا کرنے سے خداوند عالم اپنی رحمت کے اطراف کو تم پر
وسیع کرے گا، اور تم کو ثواب طاعت کا مستحق قرار دے گا۔
ان کو جو کچھ دو خوش گوار طریقہ سے دو؛ اور جو کچھ بند
کرو اور روکو تو خوبصورتی اور عذر و معذرت کے ساتھ روکو۔

- ۲۵ -

ثم امور من امورك لابدلك تمہارے معاملات میں بعض

من مباشرتها منها اجابة عمالك ایسے بھی ہوں گے جن کو
 بما يعيا عنه كتابك ومنها تمہیں بذات خود انجام
 اصدار حاجات الناس يوم دینا پڑے گا، (مثلاً) عمال
 ورودها عليك بما تخرج به کے (ایسے مراسلوں کا) جواب
 صدور اعوانك دینا جس کے جواب سے
 تمہارے سکرٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں، یا عامۃ الناس
 کی دن کے دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر) اس امر سے
 تمہارا معین و مددگار عملہ تنگ ہوتا ہے (اور اپنی اغراض کی
 بنا پر اس کو ٹال دینا چاہتا ہے)

- ۲۶

وامض لكل يوم عمله فان لكل ہر دن کے لئے مخصوص کام
 يوم مافيه واجل لنفسك فيما ہوتے ہیں، اس لئے ہر روز کا
 ينك و بين الله افضل تلك کام اسی روز تمام کر دیا کرو۔
 الموافيت واجزل تلك الاقسام جو (معاملات) فقط تمہارے
 وان كانت كلها لله اذا صلحت فيها اور خدا کے درمیان ہیں ان
 النية وسلمت منها الرعية کو پورا کرنے میں اپنے
 اوقات کا افضل واعظم حصہ صرف کرو۔ (اور واقعہ تو یہ ہے)

کہ اگر تمہاری نیت بخیر ہو اور رعیت کو ان سے سلامتی حاصل ہو تو تمہارے تمام کام اور اوقات خدا کے لئے ہو جائیں گے۔

۲۷ - عبادتِ الہی

ولیکن فی خاصۃ ما تخلص بہ اللہ اور لازم ہے کہ ان فرائض
دینک اقامتہ فرائضہ الہی ہی لہ کا جو اللہ کے لئے مخصوص
خاصۃ فاعط اللہ من بدنک ہمیں قائم کرنا ان امور میں
فی لیلک ونہارک ووف ما سے قرار دو جن کے وسیلے
تقربت بہ الی اللہ من ذالک سے تم دینی اخلاص حاصل
کاملاً غیر مثلوم ولا منقوص کرنا چاہتے ہو۔ پس تم اپنی
بالغاً من بدنک ما بلغ واذا قمت جسمانی (قوتوں) کا کچھ حصہ
فی صلاتک للناس فلا تكونن رات اور دن خدا کی اطاعت
منفراً ولا مضیعا فان فی الناس میں صرف کرو اور جن اعمال
من بہ العلة وله الحاجة وقد کو تم تقرب خدا کی غرض
ساءلت رسول اللہ صلعم حین سے بجالاتے ہو ان کو تمام و
وجہنی الی الیمن کیف اصلی کمال بجالاؤ، ناقص و محتل نہ
بہم فقال صل بہم کصلاة رکھو، خواہ تمہارے بدن کو
اضعفہم وکن بالمومنین رحیما کتنا ہی تعب کیوں نہ پہنچے۔

اور جب لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو تو اس سے ان کو نفرت دلانے کا سبب نہ بنو اور نہ اسکو ضائع ہی کرو (مطلب یہ ہے کہ نہ اتنا طول دو کہ لوگ گھبرا جائیں، نہ اس قدر اختصار کرو کہ نماز ناقض رہ جائے) کیونکہ جماعت میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بیمار ہوتے ہیں یا ان کو کوئی کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم جب مجھے یمن بھیج رہے تھے اس وقت میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کس طرح نماز ادا کرو؟ فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرو جیسے کوئی بہت ضعیف انسان ادا کرتا ہے؛ اور مومنین کے حال پر رحم کرو۔

گوشہ نشینی

۲۸ -

واما بعد فلا تطولن احتجاجك ان تمام باتوں کے علاوہ یہ
عن رعيتك فان احتجاج الولاية خیال رکھو کہ بہت طویل
من الرعية شعبه من الضيق وقلة مدت تك رعيت سے چھپے
علم بالامور فالاحتجاج منهم نہ رہا کرو، کیونکہ والی کا
يقطع عنهم علم ما احتجوا دونه رعیت سے مخفی رہنا (امور
فیصغر عندهم الكبير و يعظم متعلقہ میں) تنگی اور قلت
الصغير و يقبح الحسن و اطلاع کا باعث ہوتا ہے

يحسن القبيح و يشاب الحق ان سے حجاب مین رہنا باہر
 بالباطل و انما الوالی بشر لا یعرف کی باتوں کے علم کو قطع
 ما توارى عنه الناس به من کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
 الامور و لیست علی الحق ان کے نزدیک بڑی باتیں
 سمات تعرف بها ضروب چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی
 الصدق من الکذب و انما انت ہو جاتی ہیں؛ اچھے کام برے
 احد رجلین اما امرء سخت اور بری باتیں اچھی معلوم
 نفسك بالبذل فی الحق ففیم ہونے لگتی ہیں اور حق
 احتجاجك امن واجب حق باطل سے مخلوط و مشتبہ
 تعطیه او فعل کریم تسدیه او ہو جاتا ہے۔ آخر والی بھی بشر
 مبتلی بالمتع فما اسرع کف ہی ہے وہ ان امور کو نہیں
 الناس عن مسائلک اذا ایسوا جان سکتا جن کو لوگ اس کی
 من بذلک مع ان اکثر نظروں سے چھپائے رہتے ہیں۔
 حاجات الناس الیک مما لا اور حق (کی پیشانی) پر
 مؤونة فيه عليك من شکاة ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت
 مظلمة او طلب انصاف فی بھی نمودار نہیں ہوتی کہ جس
 معاملة کی وجہ سے صدق کی اقسام کو

کذب سے علیحدہ پہچان لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو، یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ہے تو پھر چھینے کی وجہ کیا ہے؟ یا اس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہے ہو، یا اس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کئے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو، (اگر ایسا ہے) تو لوگ (دو چار دن آئینگے) پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آجائیں گے۔ :: اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جن کا تم پر کوئی بار نہیں پڑتا، جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملے میں انصاف چاہنا۔

۲۹۔ اپنے خواص و اقارب کو دوسروں پر مسلط

ہونے کا موقع نہ دو

ثم ان للوالی خاصة و بطانة پھر (یہ واضح رہے) کہ والی فیہم استئثار و تطاول و قلة کے بعض خاص لوگ اور

:: امراء و حکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے، پس اگر تم سخی ہو تو تمکو روپوشی کی ضرورت نہیں اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔

انصاف فی معاملۃ فاحسم مادۃ اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں
اولئک بقطع اسباب تلک جن کو دوسرے کی ہانڈی
الاحوال ولا تقطعن لاحد اتار کر اپنی ہانڈی چڑھانے،
من حاشیتک وحامتک قطیعة لوگوں (کے اموال پر) دست
ولا یطمعن منک فی اعتقاد درازی کرنے اور معاملات
عقده تضربمن یلیہا من الناس میں ناانصافی برتنے کی عادت
فی شرب او عمل مشترک ہوتی ہے۔ پس ان تمام
یحملون مؤونة علی غیرہم (خرابیوں) کے اسباب کو
فیکون مہناً ذالک لہم دونک دفع کر کے ان کے مادۃ
وعیہ علیک فی الدینا والاخرۃ (شر) ہی کو ختم کردو (یعنی
ان کو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں
کر سکیں)۔ اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لئے کوئی
جاگیر نہ مقرر کرو اور ان کو اپنی طرف سے کسی ایسی
جائداد کی طمع نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو
آپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہنچنے کا امکان
ہو کہ وہ نقصان کا بار دوسروں کے سر ڈالیں گے، اس طرح
خوشگوار فائدہ تو ان کو ہوگا اور دنیا و آخرت میں تم پر

مفت میں اسکا الزام رہے گا۔

-۳۰-

والزم الحق من لزمه من القريب
والبعيد وكن في ذلك صابراً
محتسباً واقعا ذلك من قرابتك
و خاصتك حيث وقع وابتغ
عاقبة بما يثقل عليك منه فان
مغبة ذلك محموده
اور ہر اس شخص کے لئے
جس پر واجب ہو حق کو
لازم کرو عام اس سے کہ یہ
شخص تم سے قریب ہو یا بعید،
اور تم مستقل مزاج رہو اور
نگراں رہو، خواہ اس حق
(کا اثر) تمہارے خواص و اقارب ہی پر کیوں نہ پڑے۔
عاقبت کی بہتری کا قصد کرو کہ اس وقت تو یہ امر تم پر
گراں ہوگا مگر انجام اسکا بہتر ہے۔

-۳۱- رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو

و ان ظنت الرعية بك حيفا
فاصح لهم بعذرک و اعدل
عنك ظنونهم باصهارك فان
في ذلك رياضة منك لنفسك
ورفقا برعيتك واعداراً تبلغ به
اور اگر رعیت کو تمہاری طرف
کسی ظلم کا سوءظن پیدا
ہو جائے تو تم اپنا عذر اس کے
سامنے ظاہر کرو، اور اس کے
شبہات کو دور کر دو، اس

حاجتک من تقویمہم علی الحق عذر طلبی سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی، اور رعیت پر مہربانی اور شفقت؛ اور تمہارا یہ مقصود بھی پورا ہو جائے گا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

۳۲۔ دعوتِ صلح

ولا تدفعن صلحاً دعاک اور تم کسی ایسی (دعوت) الیہ عدوک ولله فیہ رضاً صلح کو رد نہ کرو جو دشمن فان فی الصلح دعة لجنودک کی طرف سے پیش ہو اور وراحة من همومک وامناً خدا کی مرضی اور خوشنودی لبلا دیک ولكن الحذر کل الحذر بھی اس میں ہو۔ اس لئے کہ من عدوک بعد صلحہ صلح سے فوج کو آرام ملے گا، فان العدو ربما قارب لیتغفل تم کو فکروں سے راحت حاصل فخذ بالحزم وانهم فی ذالک ہوگی، اور بلاد (ملک) کو امن حسن الظن وان عقدت بینک نصیب ہوگا۔ لیکن صلح کے و بین عدوک عقدة او البسطة بعد (دشمن سے غافل نہ ہو منک ذمة فحط عہدک بالوفاء جاؤ بلکہ) اس سے پوری طرح و ادع ذمتک بالامانة واجعل خائف و محتاط رہو، کیونکہ

نفسك جنة دون ما اعطيت اکثر دشمن صالح لیکر اس
 فانه ليس من فرائض الله شئ لئے تمہارے پاس آتا ہے کہ
 الناس اشد عليه اجتماعاً مع غفلت میں تمہارے ساتھ دغا
 تفرق اھوائھم وتشت ارائھم من کرے۔ پس تم حزم و احتیاط
 تعظیم الوفا بالعھود وقدلزم سے کام لو اور حسن ظن
 ذالك المشركون فيما بينهم کو اس معاملہ میں معیوب
 دون المسلمين لما استوبلوا من سمجھو۔ اگر تم اپنے دشمن
 عواقب الغدر ولا تغدرن سے کچھ شرائط طے کرو
 بذمتك ولا تخيسن بعھدك یا اس سے کوئی معاہدہ کرو
 ولا تختلن عدوك فانه لا يجترئ تو وفا کر کے اس کا بار اپنی
 على الله الا جاهل شقى وقد گردن سے اتارو اور جو ذمہ
 جعل الله عھده وذمة امنافضاه داری تم نے لی ہے اس کا
 بين العباد برحمته و حريما امانت داری کے ساتھ لحاظ
 يسكنون الى منعه ويستفيضون کرو، اور جو کچھ تم نے عہد
 الى جواره فلا ادغال ولا کر لیا ہے اس کی حفاظت کے
 مدالسة ولا خداع فيه لئے اپنے نفس کو سپر بناؤ،

کیونکہ فرائض الہیہ میں وفائے معاہدات سے بڑی کوئی شئی

نہیں ہے جس پر لوگ باوجود خواہشوں کے اختلاف اور
 رایوں کے افتراق کے اجماع و اتفاق رکھتے ہوں۔ اور اہل
 اسلام تو کیا مشرکین بھی اپنے باہمی معاہدات کو پورا کرنا
 لازم سمجھتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عہد شکنی
 کے نتائج مہلک ہوتے ہیں۔ پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ
 چھوڑو، جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو، دشمن کو فریب
 نہ دو، (کیونکہ یہ کام اللہ کے مقابلہ کی جرات کرنے کے
 مترادف ہے) اور خدا کے مقابلے کی جرات بدبخت جاہل کے
 سوا اور کون کر سکتا ہے۔ خدا نے عہد اور ذمہ داری کو
 (ذریعہ) امن قرار دیا ہے اور اس کو اپنی رحمت سے بندوں
 کے درمیان پھیلا دیا ہے، اور ایسا حرم قرار دیا ہے جس کے
 استحکام کے بھروسہ پر لوگ بستے ہیں اور اس کے جوار کی
 طرف بڑھتے ہیں۔ پس اس میں کسی طرح دغل، خیانت اور
 فریب نہ کرو۔

عہد شکنی

۳۳۔

ولا تعقد عقداً تجوز فیہ العلل اور تم کوئی ایسا معاہدہ نہ
 ولا تعولن علی لحن القول بعد کرو جس میں تاویل کر کے

التاكيد والثقة ولا يدعونك توڑ دینے کی گنجائش ہو
 ضيق امر لزمك فيه عهد الله الى اور اس (عہد نامہ) کی تاکید
 طلب انفساخہ بغیر الحق فان و توثیق کے بعد (اس کے
 صبرك على ضيق امر ترجو خلاف عمل درآمد کرنے کے
 انفرجہ و فضل عاقبتہ خیر من لئی) کسی لفظی غلطی کی
 غدر تخاف تبعته وان تحيط طرف مائل نہ ہو، اور اس
 بك من الله فيه طلبه فلا عہد کی وجہ سے اگر کسی
 تستقيل فيها دنياك ولا اخرتك امر میں کوئی تنگی پیش آئے
 تو وہ تم کو اس عہد کے ناحق فسخ کرنے پر مائل نہ کرے،
 کیونکہ کسی ایسے امر کی تنگی پر تمہارا صابر و شاکر رہنا جس
 کے دور ہو جانے اور انجام بخیر ہونے کی تم کو امید ہو اس
 عہد شکنی سے بہتر ہے جس کے وبال کا تم کو خوف ہو۔

فساد و خور ریزی - ۳۴

اياك والدماء و سفكها بغیر ناحق اوز ناجائز خور ریزی
 حلها فانه ليس شيعي ادعی سے بچو کیونکہ کوئی امر اس
 لتقمة ولا اعظم لتبعة ولا احرى سے زیادہ عذاب لانے والا،
 بزوال نعمته و انقطاع مدة اس سے بڑھ کر وبال کا باعث،

من سفك الدماء بغير حقها زوال نعمت کرنے والا اور
 والله تعالى مبتدئ بالحكم بين مدت حکومت ختم کر دینے
 العباد فيما تسافكو من الدماء والا نہیں؛ اور قیامت کے دن
 يوم القيامة فلا تقوين سلطانك خداوند عالم سب سے پہلے
 بسفك دم حرام فان ذالك بندوں کی باہمی خون ریزی
 مما يضعفه و يوهنه بل يزيله کا فیصلہ کرے گا۔ پس تم
 و ينقله ولا عذر لك عند الله ناجائز خون ریزی سے اپنی
 ولا عندى فى قتل العمد لان سلطنت کو قوت دینا نہ چاہو
 فيه قودالبدن وان ابتليت بخطاء کیونکہ وہ ضعف و خلل پیدا
 و افراط عليك سوطك او کرتی ہے، بلکہ اس کو فنا اور
 سيفك او يدك بعقوبة فان (دوسرے کی طرف) منتقل
 فى الوكرة فما فوقها مقتلة فلا کر دیتی ہے۔ اگر تم عمداً
 تطمحن بك نخوة سلطانك قتل کرو تو میرے اور خدا
 عن تؤدى الى اولياء المقتول کے نزدیک کوئی عذر پیش نہ
 حتمہم - کر سکو گے، کیونکہ اس میں

جسمانی قصاص لازم ہو جاتا ہے؛ اور اگر تم غلطی سے اس
 میں مبتلا ہو جاؤ اور بلا ارادہ تمہارے تازیانے، تلوار یا ہاتھ

سے سزا میں افراط ہو جائے (جو مجرم کو ہلاک کردے) کہ
اکثر مکا مارنے یا اس سے کچھ زیادہ سزاؤں کے سبب سے
بھی قتل واقع ہو جاتا ہے، تو ایسا نہ ہو کہ اپنی قوت اور
حکومت کا غرور تم کو مقتول کے اولیاء (اور وارثوں) کو حق
دیت ادا کرنے سے روکے۔

- ۳۵

و ایاک والاعجاب بنفسک تم اپنے نفس کو اچھا سمجھنے،
والثقة بما یعجبک منها وحب اس کی کسی بات پر جو
الاطراء فان ذالک من اوثق تم کو بھلی معلوم ہو بھروسہ
فرص الشیطان فی نفسه لیمحق کرنے اور مبالغہ آمیز تعریفوں
مایکون من احسان المحسنین کو پسند کرنے سے احتراز کرو،
کیونکہ یہ امر شیطان کو پوری فرصت دیتا ہے کہ وہ انسان
کے نفس میں دخل پائے اور نیکون کی نیکی ملیامیٹ کر دے۔
۳۶ - احسان نہ جتاؤ - وعدہ خلافی نہ کرو

و ایاک والمن علی رعیتک اور تم رعیت پر احسان جتانے
باحسانک او التزید فیما کان یا اپنے کاموں کو بڑھا چڑھا
من فعلک او ان تعدہم فتبع کریاں کرنے سے پرہیز کرو

موعداك بخلفك فان المن اور خبردار ایسا نہ کرو کہ ان
 یبطل الاحسان والتزید یذهب سے کوئی وعدہ کرو اور پھر
 بنورالحق والخلف یوجب المقت خلاف وعدہ کریٹھو، کیونکہ
 عندالله والناس قال الله تعالى احسان جتنا احسان کو
 کبر مقتا عندالله ان تقولوا ملیامیٹ کردیتا ہے، اور اپنے
 ما لا تفعلون۔ کاموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانا

سچائی کی روشنی کو زائل کرتا ہے؛ اور وعدہ خلافی خدا اور
 عامة الناس دونوں کے نزدیک ملامت و سرزنش کا مستحق
 بنا دیتی ہے۔ خداوند عالم خود فرماتا ہے ”خدا کے نزدیک یہ
 امر بڑی سرزنش کا باعث ہے کہ تم وہ باتیں منہ سے کہو
 جنکو تم عملی جامہ نہیں پہنتے۔“

۳۷۔ وقت پر کام کرو

واياك والعجلة في الامور قبل خبردار! جلد بازی کر کے
 او انها او التسقط فيها عند کاموں کو ان کے وقت (و موقع)
 امكانها او اللجاجة فيها اذا سے پہلے نہ کر ڈالو، اور جب
 تنكرت او الوهن عنها اذا ان کے ہونے کا امکان
 استوضحت فضع كل امر موضعه ہو اور موقع آجائے تو ان کے

و واقع کل امر موقعہ کرنے میں تساہل نہ کرو،
 اور جب ان کی خرابی معلوم ہو جائے تو ان پر اصرار نہ کرو،
 اور جب ان کا ٹھیک ہونا ظاہر ہو جائے تو ان کے کرنے میں
 سستی نہ کرو، ہر امر کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر کام کو
 اس کے موقع پر انجام دو۔

۳۸ - تخصیص اور ضبط نفس

وایاک والاسشار بالمالناس فیہ اور تم کسی ایسی چیز کو
 اسوة والتغابی عما تعنی بہ اپنے لئے مخصوص نہ کرو
 مما قد وضع للعیون فانه ماخوذ جس میں سب لوگوں کے
 منك لغیرك و عما قلیل تنكشف حقوق برابر ہوں اور (لوگوں
 عنك اغطیة الامور و یتصف (کے) ان مہم بالشان امور
 منك للمظلوم املك حمیة میں تغافل کرنے سے پرہیز
 انفك وسورة حدك وسطوة کرو جو نگاہوں کے سامنے
 يدك وعزب لسانك واحترس عیاں ہو چکے ہیں، کیونکہ ان
 من كل ذالك بكف البادرة امور کا تمہارے غیر کے لئے
 تاخیر السطوة حتی یسكن تم سے مواخذہ کیا جائے گا
 غضبك فتملك الاختیار ولن اور تھوڑی ہی دیر میں جملہ

تحکم ذالک من نفسک حتی امور کے اوپر سے پردے ہٹ
تکثر همومک بذکرالمعاد جائیں گے اور مظلوم کا انتقام
الی ربک تم سے لے لیا جائے گا۔ اور
اپنے جوش تکبر، ہیجان غضب، ہاتھوں کی سطوت اور زبان
کی تیزی کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی
ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہو نے والے امور کی
روک تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو، یہاں تک کہ تمہارا
غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ؛ اور تم اپنے
نفس میں یہ قدرت اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتے جب تک
اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کر کے اپنی فکرون کو زیادہ
نہ کرو۔

ماضی سے سبق لو

- ۳۹

والواجب علیک ان تتذکر تمہارے لئے ضروری ہے کہ
مامضی لمن تقدمک من حکومت ان باتوں کو یاد رکھو جو تم
عادلۃ او سنۃ فاضلۃ او اثر سے پہلے لوگوں پر گذریں
نینا صلعم او فریضۃ فی خواہ وہ حکومتِ عادلہ سے
کتاب اللہ فقتمدی بما شاہدت متعلق ہوں، یا کسی طریقۃ فاضلہ

مما عملنا به فيها وتجتهد لنفسك
 في اتباع ما عهدت اليك في
 عهدي هذا واستوثقت به
 من الحجة لنفسي عليك لكيلا
 تكون لك علة عند تسرع
 نفسك الى هواها وانا اسأل الله
 بسعة رحمته وعظيم قدرته على
 اعطاء كل رغبة ان يوفقني
 واياك لما فيه رضاه من الاقامة
 على العذر الواضح اليه والى
 خلقه مع حسن الثناء في العباد
 وجميل الاثر في البلاد وتمام
 النعمة و تضعيف الكرامة
 وان يختم لي ولك بالسعادة
 والشهادة انا اليه راجعون
 والسلام على رسوله صلى الله عليه
 وآله الطيبين الطاهرين وسلم
 سے ، حدیث رسول ہوں ،
 یا کتاب خدا میں بیان کیا
 ہوا فریضہ ، اور اس کی
 اسی طرح پیروی کرو جیسے
 تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے ۔
 اس عہد نامہ میں جو کچھ
 احکام میں نے تمہارے ذمہ
 عائد کئے ہیں ان کی ، اور
 اپنے نفس کی (برائت کے لئے)
 جو حاجتیں میں نے تم پر مسلط
 و مستحکم کر دی ہیں ان کی
 پیروی کرنے میں پوری
 جدوجہد کرنا ، تاکہ جب
 تمہارا نفس ہوا و ہوس کی
 طرف سبقت کرے تو تمہارے
 لئے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے ۔
 اور میں خدا سے اس کی

تسلیم کثیراً؛ والسلام رحمت کی وسعت اور ہر

(نہج البلاغہ) مرغوب چیز کے عطا کرنے پر

اس کی عظیم قدرت کا واسطہ دے کر اس امر کا سوال کرتا

ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے

نزدیک اس عذر واضح پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس

میں اس کی رضا ہو ساتھ ہی ساتھ اس کے بندوں (کی زبان پر

بھی) ہماری مدح و ثنا رہے اور اقطاع زمیں پر ہمارا اچھا نقش

قائم ہو، ہم پر اس کی نعمت تمام ہو اور عزت و کرامت زیادہ

ہو۔ نیز (اس سے یہ دعا کرتا ہوں) کہ میرا اور تمہارا خاتمہ

سعادت اور شہادت پر کرے، بیشک ہم سب اس کی طرف

لوٹ کر جانے والے ہیں۔ سلام ہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ

اور ان کی پاک و پاکیزہ آل پر، بہت بہت سلام۔

والسلام



آل محمد کی تعلیم پر اجمالی نظر

”فلسفہ آل محمد“ کیا ہے؟ قرآن شریف کی وہ تعلیم، احادیث رسول کا وہ مجموعہ جو ہمکو آل محمد کے ذریعہ سے پہنچا ہے۔

آل محمد سے ہماری مراد کیا ہے؟

- (۱) حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پارہ جگر تھیں، جنہوں نے آغوش رسول میں پرورش پائی، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، رسول کا اسوۂ حسنہ دیکھا اور اس پر چلنے کی کوشش کی، جو رفتار، گفتار اور سیرت میں اپنے باپ سے مشابہ تھیں، اور جن کی تعلیم و تربیت میں آنحضرت سعی بلیغ فرمایا کرتے تھے۔
- (۲) حضرت علی علیہ السلام جو کہنے کو ابوطالب کے فرزند تھے مگر بچپن ہی سے رسول عربی کی آغوش تربیت میں پلے، شب و روز ان کے ساتھ رہے، سفر و حضر، جنگ و صلح، مصیبت و راحت غرض ہر حالت میں ان کے پاس رہے۔ آغاز کار سے لیکر وفات رسول تک اسلامی دنیا کا کوئی اہم واقعہ ایسا

نہیں جس میں علی کی شرکت نہ ہو اور (بقول رسول) دین کا کوئی حکم ایسا نہیں جو رسول کو ملا ہو اور انہوں نے علی تک نہ پہنچا دیا ہو۔

(۳) امام حسن اور امام حسین علیہما السلام جو انہی دونوں بزرگوار کے فرزند اور خود محفل رسالت کے تربیت یافتہ اور دربار نبوت کے ہمہ وقت حاضر باشوں میں تھے، جن کا مسکن آغوش رسالت تھا اور جولان گاہ سینۂ نبوت؛ جنت کے نوجوانوں کے یہ سردار ایک طرف تو براہ راست شمع رسالت سے اقتباس نور کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے ماں باپ کے ذریعہ سے اکتساب علم فرماتے تھے۔

(۴) امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے نو امام (از امام زین العابدین تا امام مہدی علیہم السلام) کہ ان طاہر و طیب ذاتوں نے سلسلہ بسلسلہ اپنے آباء و اجداد سے علوم ربانی، معارف قرآنی اور احادیث رسول کو حاصل کر کے عالم میں پھیلا دیا اور کفر و نفاق کی تاریک آندھیوں میں بھی شمع علم و عرفان کو روشن رکھا۔ ان میں سے ایک (امام مہدی علیہ السلام) آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں اور اپنے

باطنی فیوض سے دنیا کو مالا مال کر رہے ہیں۔ خدا جلد ان کے ظہور سے ہماری آنکھوں کو روشن اور ظلمت کدۂ ارض کو منور فرمائے۔

اسلام جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کرۂ ارض پر امن و امان قائم رکھنے، بھولی بھٹکی قوموں کو نجات کا سیدھا راستہ بتانے اور عبد و معبود کے درمیان برسوں سے منقطع رشتے کو جوڑنے کے لئے آیا تھا۔

وہ نہ مروجہ مذاہب کی طرح چند فرسودہ رسموں کا مجموعہ ہے، نہ وقف فکر حکماء کے نظریات کی طرح محض دماغی عیاشی کا مشغلہ، وہ نہ جوع الارض کے مریض انسانوں کو تسخیر ممالک اور مردم شکاری کے کام میں مدد دینے کے لئے آیا تھا، نہ غلامی پسند اور تملق پیشہ لوگوں کے لئے عذر اور بہانے کا سامان مہیا کرنا چاہتا تھا۔

لیکن جب آفتاب عالمتاب افق پر نمودار ہوتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اپنی اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ تنھے تنھے پودے اس کی شعاعوں سے سبزی حاصل کرتے ہیں۔ کلیاں اس سے طرح طرح کے رنگ لیتی

ہیں۔ اور تاریکیاں اس کے دم سے کافور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب آفتابِ اسلام افقِ عالم پر نمودار ہوا تو ہر فرد اور ہر قوم نے اس سے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق فائدہ اٹھایا۔ وہ جو برسوں سے جنگ و جدل اور قتل و غارت کے شائق تھے، اس کی عمل آفریں اور تنظیم خیز تعلیم کی بدولت ملکوں پر چھا گئے اور شرق و غرب کے خزانوں پر قابض ہو گئے، جو زہد و تقویٰ اور عزلت گزینی کے شیدا تھے انہوں نے تركِ دنیا اور طلبِ آخرت کی آیات پر زور دیکر صوفیوں کے سلسلے قائم کئے اور میدانِ جنگ چھوڑ کر خانقاہوں اور حجروں کو جا آباد کیا۔

بادشاہت کی آرزو، لوٹ مار کی خواہش اور عزلت گزینی و تركِ دنیا کی افراط و تفریط کے دور میں آلِ محمد کی ذاتِ سچ مچ ایک مشعلِ ہدایت تھی۔ انہوں نے قرآن و احادیث کی تفسیر اور تاویل میں علمی اور عقلی طریقہ قائم رکھا، اور مسلمان کو نہ تو بالکل تاركِ الدنیا ہونے کی تعلیم دی، نہ سرسے پیر تک طلبِ دنیا میں غرق ہو جانے کا مشورہ دیا۔ ان کی تعلیم یہ تھی۔

لیس منا من ترك الدنيا للآخرة (وہ شخص جو دنیا کو حصول
ومن ترك الآخرة للدنيا آخرت کے لئے اور آخرت کو
دنیا کے لالچ میں ترك کر دے ہم میں سے نہیں ہے) دنیا اور
آخرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ، ہم اس کرۂ ارض پر اس
لئے بھیجے گئے ہیں کہ اپنے عمل سے اس دنیا کو بہشت بنانے
کی کوشش کریں ۔

الدنيا مزرعة الآخرة (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے)
اس وقت جیسا بوؤ گے آگے چل کر ویسا ہی کاٹو گے ۔

کتاب فلسفۂ آلِ محمد کیا ہے ؟

اسلام کی وہ تشریح اور تفسیر ہے جو آلِ محمد سے ہم
تک پہنچی ہے۔ اس کتاب میں احکام الہی اور ارشاداتِ
نبوی کو آلِ محمد کی مقدس سیرت اور پاکیزہ زندگی کی
روشنی میں پیش کیا گیا ہے ۔ آئے اصل کتاب شروع کرنے
سے پہلے ہم یہ دیکھ لیں کہ اصول و فروعِ دین یعنی اسلام
کے بنیادی عقائد و اعمال کے متعلق آلِ محمد کا نظریہ کیا تھا؟

دین
کے
اصول و فروع

فلسفہ آلِ محمد کی روشنی میں

اصول دین

—:—

توحید



کائنات پر نگاہ ڈالئے۔ پہلے :: (Atom) کو لیجئے۔ مادہ کا یہ چھوٹا سا ذرہ جس کو آپ طاقور سے طاقور خوردین کی مدد سے بھی نہیں دیکھ سکتے ایک مستقل نظام کا مالک ہے۔ اگر آپ کی نگاہ کے سامنے سے حجاب اٹھ سکے، تو آپ کو نظر

:: کائنات پر نظر ڈالئے، اس کا ذرہ ذرہ یکساں قوانین کے ماتحت چل رہا ہے، موجودہ عہد کے حکماء کا متفق اللفظ یہ فیصلہ ہے کہ کائنات میں حیرت انگیز یک رنگی اور ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ جذب و کشش کا وہ قانون جو نیوٹن نے سبب کے باغ میں پایا تھا نہ صرف ہمارے نظام شمسی میں کار فرما ہے بلکہ دوسرے شمس کے حلقہ عمل میں بھی نظر آتا ہے۔ پھر یہ کہ عوالم جو ہم کو دکھائی دیتے ہیں ان سب کی اصل ایک ہی ہے۔ یہ بہرہ ویا مادہ جو ہر جگہ تھے روپ میں جلوہ فگن ہے، نوے عناصر پر مشتمل ہے۔ اور ہر عنصر Atoms کا مجموعہ ہے، اجرام فلکی انہیں سے بنتے ہیں۔

کچھ عرصہ تک تو یہ سمجھا جاتا رہا کہ Atoms ہی مادہ کے جزو لائتجزی ہیں،
(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

آجائے کہ اس کے اندر پروٹان کو مرکزی صورت حاصل ہے اور

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

مگر سر جوزف ٹامسن (Sir Joseph Thompson) نے یہ ثابت کیا ہے کہ اٹم (Atom) منفی بجلی کے ذروں یعنی الیکٹران کا مجموعہ ہے جو مثبت بجلی کے مدور کرہ میں گھومتا رہتا ہے۔ اسکی تصدیق ریڈیم کی دریافت سے ہو گئی۔ یہ وہ عنصر ہے جو Atom کے اجزا میں الیکٹران کے منتشر ہونے کا تماشا ہماری آنکھوں کے سامنے دکھاتا رہتا ہے۔ اگر ہمارے پاس اس وقت ایک اونس ریڈیم ہو تو ۱۷۶۰ سال کے بعد صرف ادا اونس رہ جائے گا۔ اور تیس ہزار سال کے اندر صرف اسکا ۱۰۰۰۰۰۰ دس لاکھواں حصہ باقی رہ جائے گا۔

ریڈیم کے جسم سے جو ذرے منتشر ہوتے ہیں ان سے ہیلیم اور پھر پولونیم نام کے عنصر بنتے ہیں اور جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ سیسہ کہلاتا ہے۔

ذاکٹر ارتھر شستر نے سچ کہا ہے کہ اتہا پر جا کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل کائنات کی اصل مفرد ہے۔ یعنی وہ مسالہ جس سے کائنات بنی ہے ایک ہی ہے۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ مادہ برق سے بنا ہے۔ اور عناصر میں اختلاف اس لئے نظر آتا ہے کہ برق پاروں نے مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ اب رہا یہ کہ برق کیا ہے؟ پروفیسر لارمر (Larmer) نے اسکو بھی صاف کر دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:—

“Electricity is a strain-centre in the ether”

کائنات کا مسالہ ایک ہے اور قوانین بھی اس میں یکساں جاری و ساری ہیں۔ جو نظام Atom میں کار فرما ہے وہی بڑے بڑے اجرام فلکی میں پایا جاتا ہے، جس طرح اجرام فلکی بتتے بگڑتے ہیں اسی طرح Atom بھی بتتا بگڑتا ہے، تو کیا مخلوقات کی یہ وحدت خالق کی وحدت پر دلالت نہیں کرتی؟

پروٹان کے گرد متعدد الیکٹرون رقص میں مصروف ہیں ۔
 اب بڑے سے بڑے نظام شمسی کو لے لیجئے ۔ وہاں بھی
 آپ کو ایسا ہی منظر نظر آئیگا ۔ تو چھوٹے سے چھوٹے
 ذرے اور بڑے سے بڑے نظام شمسی کے نظم و نسق کی
 وحدت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کارخانہ کسی ایک ہی ذات
 کے اشاروں پر چل رہا ہے ۔ ذرا غور سے دیکھئے، آفتاب و ماہتاب،
 انسان و حیوان، شجر و حجر سب ایک مقررہ نظام کے ماتحت ہیں۔
 وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ اور نہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا
 اذا لذهب كل اله بما خلق و خدا ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا
 كَعَلَاءَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور
 (مومنون: ۹۱) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا ۔

یہ ممکن تھا کہ ایک مقام پر ایک خدا ہوتا اور دوسرے
 مقام پر دوسرا خدا، مگر جب ہم اشیاء، ان کے اسباب و
 علل، اجزائے ترکیبی اور ان کے وجود میں آنے کے طریقوں پر
 نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں وحدت اور
 یکسانی ہے ۔

پانی جیسی معمولی سی چیز پر غور کیجئے۔ ملک ہند کے

کسی دریا سے ایک چلو پانی لے لیجئے اور اس کی کیمیاوی تحلیل کیجئے۔ پھر امریکہ کے کسی دریا سے پانی لیکر اس کی کیمیاوی تحلیل کیجئے۔ دیکھئے دونوں جگہ کے پانی کے اجزائے ترکیبی بالکل یکساں ہیں، ہائڈروجن اور آکسیجن میں جو تناسب یہاں ہے، وہی امریکہ میں قائم ہے۔ گویا دونوں ملکوں میں ایک ہی بادشاہت اور ایک ہی سا قانون رائج ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بہت سے خدا ہوتے اور ہر ایک کے سپرد الگ الگ کام ہوتا۔ مگر غور کیجئے تو معلوم ہو جائے کہ اس دنیا میں ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں اگتا جب تک آسمان سے لے کر زمین تک تمام کارکن قوتوں اور اسباب میں باہمی اشتراک عمل نہ ہو۔ فرض کیجئے کہ یہ کارکن قوتیں اور اسباب جدا جدا خداؤں کے حلقہ اثر میں ہیں تو اب ضروری نہیں کہ سب کا اشتراک عمل ایک وقت ممکن ہو۔ اشتراک عمل کے بغیر تصادم ہونا یقینی، اور نظام کائنات میں خلل پڑنا لازمی ہے۔ ::

:: اس پورے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے تو باوہ کائنات

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

لو كانَ فِيهِمَا الهةٌ إِلَّا اللهُ اِگر زمین و آسمان میں اللہ کے
 لفسد تاج فسبحن الله رب العرش سوا چند اور خدا بھی ہوتے
 عما يصفون (انبیا: ۲۲) تو ان میں فساد برپا ہو جاتا۔
 عرش والا خدا ان چیزوں سے جو (مشرک) کہتے ہیں پاک ہے۔
 یہ تو ظاہر ہے کہ توحیدِ الہی کائنات کے ذرہ ذرہ سے
 ہویدا ہے۔ مگر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس کا عقیدہ انسان
 کے لئے کیوں ضروری ہے؟ خدا ایک ہی سہی، مگر اس کو
 ایک ماننے پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے؟ جو لوگ ایک کے بجائے
 متعدد خداؤں پر ایمان لاتے ہیں ان کو کیا نقصان پہنچتا

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

کے حصے بخرے کر کے اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے کہ ایک خدا ایشیا پر حکمران
 ہوتا اور دوسرا امریکہ پر؛ ایک زمین کا بادشاہ بن بیٹھتا اور دوسرا مریخ کا۔ یا یہ کہ
 حدودِ مملکت تو جدا نہ ہوتیں مگر ہر خدا کا کام علیحدہ علیحدہ ہوتا۔ ایک زندگی
 عطا کرتا، دوسرا موت، ایک حرارت پیدا کرتا اور دوسرا برودت وغیرہ وغیرہ۔
 کائنات کے ہر حصہ میں قانون و عمل کی یکسانی اور ہم آہنگی پہلی صورت کی
 تردید کر رہی ہے؛ اور ہر شئی کے وجود میں آنے اور پایہ تکمیل کو پہنچنے کے لئے
 ایک وقت فطرت کے ہزاروں عناصر و قوا کا اشتراک عمل دوسری صورت کی
 تردید کرتا ہے۔

ہے ؛ اور جو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کیا فائدہ اٹھا لیتے ہیں ؟
 دوسرے لفظوں میں یہ کہ عقیدہ توحید کا افادی پہلو کیا ہے ؟
 نظریہ توحید کے بہت سے فوائد ہیں :-

(۱) اصحابِ نظر بخوبی جانتے ہیں کہ انسان کی توہم پرستی
 کی تاریخ بہت ہی پرانی ہے ۔ اس کی فطرت میں خوف و طمع
 کے عنصر کا اتنا غلبہ ہے کہ اس کی خود داری کا جہاز ہمیشہ
 انہی دو چٹانوں سے ٹکرا کر ڈوبتا رہا ہے ۔

انسان جب تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں تھا، تو
 اونچے پہاڑوں، بڑے دریاؤں اور خوفناک جانوروں سے
 ڈر کر ان کی پرستش کرتا تھا۔ بارش سے گرمی کی شدت دور
 ہوتی تھی، ندی نالے بہہ نکلتے تھے، جس سے اس کو اور اس کے
 مویشیوں کو پانی ملتا تھا۔ کھیتی ہری بھری ہو جاتی تھی، جس
 کی بدولت اس کو کھانا اور اس کے مویشیوں کو چارہ ملنے کی
 امید ہوتی تھی۔ آفتاب سردی دور کرتا تھا، رات کے
 اندھیرے کو اجالے سے بدل دیتا تھا، چاند کی بدولت اس کو
 رات میں روشنی میسر آتی تھی اس لئے وہ ان مظاہر فطرت سے
 خوش تھا اور ان کی تعریف کے گیت گاتا تھا۔ دوسرے لفظوں

میں یہ کہ دنیا میں اس کو سب قوی اور قادر نظر آتے تھے ۔
 بس اپنی ہی ذات بے بس ، محتاج ، اور دوسروں کی دست نگر
 معلوم ہوتی تھی ۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو عبد اور دوسروں
 کو معبود سمجھتا تھا ۔ ۲۵

نظریہ توحید نے اس کو اپنی بھولی ہوئی عظمت یاد دلائی
 اور اپنی خواہیدہ قوتوں کو بیدار کرنے کی تعلیم دی ۔ اب اس کو
 پتہ چلا کہ اللہ نے مجھے مہر و ماہ ، آب و آتش ، اور حیوانات
 و جمادات کی غلامی اور بندگی ، عبادت اور پوجا کے لئے پیدا
 نہیں کیا ، بلکہ میں تو دنیا میں الہی قوتوں کا مظہر اور خدائی
 صفات کی جلوہ گاہ ہوں ۔ آفتاب و ماہتاب ، ہوا و دریا ، جو
 بظاہر قادر و مختار نظر آتے ہیں ، اصل میں ایک دوسری ذات کے
 اشاروں پر چل رہے ہیں ۔ اس لئے عبادت کے لائق یہ نہیں
 بلکہ وہی ذات ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے ۔

(۲) جب تک انسان نظریہ توحید کا قائل نہ تھا ، باد و باران ،

آب و آتش ، اور شجر و حجر کو اپنا معبود مانتا تھا ۔ ان سب کی
 تعریف کے نغمے سناتا ۔ ان سب کے سامنے ناچتا ، گاتا ، اور
 ان کی درگاہ میں نذریں چڑھاتا تھا ۔ مگر جب اس کو معلوم

ہو گیا کہ یہ معبود نہیں بلکہ عبد ہیں ، مخدوم نہیں بلکہ خادم ہیں ، اور ہماری ہی خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں ، تو اس نے ان سے کام لینا شروع کیا اور اس طرح سائنس کی ترقی کا آغاز ہوا۔

ممالك متحدہ کے مغربی حصے میں بجلی کی طاقت سے جابجا آبپاشی ہو رہی ہے ۔ جہاں کل تک خاک اڑتی تھی وہاں آج ہری بھری کھیتیاں لہلہا رہی ہیں ۔ میوہ دار باغ سر بلند اور گلہائے رنگا رنگ محو تبسم ہیں ۔ صنعتی کارخانے جاری ہیں جن میں انواع و اقسام کی چیزیں بنتی ہیں ، لاکھوں مزدور کام کرتے اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں ۔ یہ سب کس کی بدولت ؟ اس عمل کی بدولت جس نے گنگا جل کو تسخیر کر کے بجلی پیدا کی ۔ بتائیے کیا وہ قوم جو گنگا کو دیوی سمجھ کر پوجتی ہے ، اس کے پانی سے یہ خدمتیں لینے کا کبھی خواب بھی دیکھ سکتی تھی ؟ پھر دیکھئے کہ بھاپ (Steam) جس کی مدد سے ریلیں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑتی پھرتی ہیں ، جس کے ذریعہ سے تیز رفتار جہاز سطح آب پر رواں دواں ہیں ، پانی اور آگ ہی کی

تسخیر کا نتیجہ ہے ۔ اگر

هو الذی سخر لکم مافی السموات (وہ خدا جس نے جو کچھ
ومافی الارض آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

زمین میں ہے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے)

کی تعلیم ہم کو نہ ملتی تو ہم عناصر و قوائے فطرت کو
مسخر کر کے سائنس کو اس قدر ترقی کس طرح دے
سکتے تھے ؟

(۳) پچھلے زمانے میں ہر قوم علیحدہ علیحدہ خداؤں کو
مانتی تھی ۔ یونان کے خدا الگ تھے ، روما کے الگ ، ایران کے
معبود جدا تھے اور مصر کے جدا ۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک
قوم کو دوسری قوم سے للہی بغض رہتا تھا ۔ یونانی اپنے خداؤں
کو بڑا اور دوسرے ملکوں کے خداؤں کو چھوٹا سمجھتے
تھے ؛ ان کا خیال تھا کہ ہم کو جائز طور پر یہ حق ہے کہ
ہم چھوٹے خداؤں کے ماننے والوں کو لوٹیں ، ماریں اور غلام
بنائیں ۔ روم والے بھی اپنے قابل احترام دیوتاؤں کی امداد کے
بہروسہ پر یورپ اور ایشیا کے ملکوں کو تاراج کرنا مقدس
فریضہ سمجھتے تھے ۔ مصری کشورکشاؤں کی افریقی اور ایشیائی

جنگوں میں بھی یہی محرك :: کار فرما تھا ۔

سرزمین ہند پر آریں قوم کے حملہ آوروں اور یہاں کے اصلی باشندوں کی کشمکش کا حال اب تک ویدوں کے صفحات پر موجود ہے ۔ اور اس میں صاف طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آریں کے دیوتا بزرگ و برتر تھے اور یہاں کے اصلی باشندے حقیر دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ۔

کرۃارض پر نظم و نسق قائم رکھنے اور نوع انسانی کو اتحاد، مساوات اور اخوت کا سبق پڑھانے کے لئے ایک اور صرف ایک مرکز قائم کرنے کی ضرورت تھی ۔ جس کے گرد جمع ہونے کے بعد قومیت ، وطنیت ، رنگ روپ اور دولت و ثروت کے تمام امتیازات غائب ہو جائیں ۔ نظریۂ توحید نے سچ مچ یہ امتیازات مٹا دیئے ۔ کیا آپ نے مسجد میں ان امتیازات کے فنا ہو جانے کا حیرت انگیز منظر نہیں دیکھا ؟ حج کے موقع پر جو عالمگیر اجتماع ہوتا ہے ، کیا اس میں ان امتیازات کا کہیں شائبہ نظر آتا ہے ؟ پھر ان ملکوں کو چھوڑ کر

:: یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم کے حملہ کا اصل محرك لوٹ مار کا جذبہ رہا ہے مگر

اس خواہش کی تکمیل میں ہمیشہ تعدد الہ کے اعتقاد سے مدد اور سہولت ہم پہنچی ہے ۔

جہاں اقوامِ معاصر نے ہمارے اسلامی تمدن پر برا اثر ڈالا ہے، اسلامی سوسائٹی کا گہری نظر سے مطالعہ و معائنہ کیجئے تو آپ کو وہاں انما المؤمنون اخوة (ایماندار لوگ بھائی بھائی ہیں) کا روح پرور اور خرد افزا منظر نظر آئے گا۔ اور کچھ اسلامی معاشرت ہی پر منحصر نہیں، بلکہ جب سے ہم نے علم توحید بلند کیا ہے دنیا محسوس اور غیر محسوس :: طریقہ پر وحدتِ انسانیت پر زور دینے لگی ہے۔ انقلاب امریکہ، انقلاب فرانس، انقلاب روس سب پر ہمارے نظریۂ توحید کا اثر پڑا ہے۔ توحید کا تصور نگاہ کے سامنے آنے سے پہلے دنیا وحدتِ انسانیت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ آج بھی کہ دنیا نے اس قدر ترقی کر لی ہے، کڑوڑوں انسان وطن اور قوم کے بتوں کے پرستار ہیں، یورپ کی موجودہ جنگ اسی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم سب ایک خدا کو ماننے

:: خدا خود فرماتا ہے کہ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے دنیا ایک نہ ایک دن اس کی طرف پلٹے گی (افغیر دین الله یغون و له اسلم من فی السموات والارض طوعاً و کرہاً و الیہ یرجعون ہ) (آل عمران ۹)

(کیا وہ دینِ الہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً اس کے سامنے جھکا ہوا ہے اور ایک نہ ایک دن سب اس کی طرف لوٹ جائیں گے)

لگیں تو اس کے سارے بندوں کے حقوق حریت و مساوات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے؛ اور اس کے بھیجے ہوئے آئین و قوانین پر عمل کر کے امنِ عالم کے قیام میں مدد دے سکیں گے۔ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب مسلمان دنیا میں برسرِ اقتدار تھے اس وقت جنگ و جدل کا خاتمہ کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان تو بیشک عرصہ تک حکمران رہے، مگر اسلام کی حکومت چند روز سے زیادہ نہ رہ سکی۔ بت شکن مسلمان وطن اور قوم کے بتوں کو کلیۃً نہ توڑ سکے۔ عرب اور عجم، ترک و ہندی کا امتیاز ان میں بھی باقی رہا۔ اسی لئے جنگ و جدل کا استیصالِ کامل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ اسی امتیاز کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دنیا کی غلام قوموں کی صف میں چلے گئے۔

اربابِ فکر و نظر کے لئے حکیم العرب سیدنا علی علیہ السلام کا ایک خطبہ درج کیا جاتا ہے جس میں توحید پر فلسفیانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

الحمد لله الذی لا یبلغ تمام اور ہر قسم کی تعریف مدحتہ القائلون، و لا یحصی اس خدا کے لئے زیبا ہے

نعماء العادون ، ولا يؤدی جس کی مدح تک بولنے والوں
 حقہ المجتہدون ، الذی کی رسائی نہیں ، جس کی
 لا یدرکہ بعد الہم ، ولآینالہ نعمتوں کو شمار کرنے والے شمار
 غوص الفطن ، الذی لیس لصفہ نہیں کر سکتے ، اور کوشش
 حد محدود ، ولا نعت موجود ، کرنے والے اس کا حق ادا
 ولا وقت معدود ، ولا اجل نہیں کر سکتے ، وہ جس کے
 مہدود ، فطر الخلاق بقدرتہ ، ادراک سے ہمتوں کی بلند
 و نشر الیاح برحمۃ ، ووتد پروازیاں بھی قاصر ہیں اور
 بالصخور میدان ارضہ ، فکروں کی گہرائیاں اس تک
 اول الدین معرفتہ ، وکمال نہیں پہنچ سکتیں ، نہ اس
 معرفتہ التصدیق بہ ، وکمال کی صفات کی کوئی حد معین
 التصدیق توحیدہ ! وکمال ہے ، نہ تعریف موجود ، نہ
 توحیدہ الاخلاص لہ وکمال کوئی ایسا وقت کہ شمار میں آسکے ،
 الاخلاص لہ نفی الصفات اور نہ کوئی ایسی مدت جو
 عنہ ، لشہادۃ کل صفۃ انہا طویل ہو۔ اس نے مخلوق
 غیر الموصوف ، وشہادۃ کل کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ،
 موصوف انہ غیر الصفۃ ، فمن اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے

وصف اللہ سبحانہ تعالیٰ فقد (فضا میں) منتشر کیا، زمین
قرنہ، ومن قرنہ فقد ثناء، کی حرکت کو پتھر (کی
ومن ثناء فقد جزاء، ومن میخوں سے) روکا۔ دین کا
جزاء فقد جہلہ، ومن پہلا (زینہ) اس کی معرفت
جہلہ فقد اشار الیہ، ہے، اور کمال معرفت اسکی
ومن اشار الیہ فقد حدہ، ومن تصدیق ہے، اور تصدیق کا
حدہ فقد عدہ، ومن قال فیم کمال یہ ہے کہ اس کو یکتا
فقد ضمنہ، ومن قال علی م ویگانہ مانا جائے، اور توحید
فقد اخلی منہ، کائن لا عن کا کمال یہ ہے کہ اس کے ساتھ
حدث، موجود لا عن عدم، اخلاص ہو، اور اس کے
مع کل شیء لا بمزایلة، ساتھ اخلاص کا یہ کمال ہے کہ
اس کی ذات سے ایسی صفات کی نفی کی جائے جو عین ذات
نہ ہوں، کیوں کہ ہر صفت یہ شہادت دیتی ہے کہ وہ موصوف
سے علیحدہ ہے، اور ہر موصوف یہ شہادت دیتا ہے کہ وہ
صفت سے جدا ہے، تو جس نے خدا کے لئے صفت ثابت کی
اس نے خدا کا ہمسر بنا دیا، اور جس نے اس کا ہمسر بنایا
اس نے اس کو دو سمجھ لیا، اور جس نے دوئی پیدا کی اس

نے (اس ذات واحد) کے لئے جز مانا ، اور جس نے اس کے لئے
اجزا قرار دئے اس نے گویا اس کی ذات کو پہچانا ہی نہیں ،
اور جس نے اس کو نہ پہچانا اس نے اس کی طرف اشارہ
کیا ، جس نے اس کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے محدود بنادیا ،
اور جس نے اسے محدود کر دیا وہ اس کو (دوسری تمام اشیاء کی)
شمار و قطار میں لے آیا ، جس نے یہ پوچھا کہ وہ کس چیز میں
ہے ؟ تو اس نے اس کو کسی چیز کے ضمن میں قرار دیا اور
جس شخص نے کہا کہ خدا کس چیز پر ہے ؟ تو اس نے اس
جگہ کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی تصور کر لیا ۔
وہ موجود ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی نے اس کو
پیدا کیا ہے ، اس کا وجود ہے مگر وہ عدم سے وجود میں نہیں
آیا (بلکہ ازلی ہے) ۔ وہ ہر چیز کے ساتھ ساتھ ہے مگر یہ
معیت ویسی نہیں جو اجسام میں ہوتی ہے ۔ وہ ہر شے سے
الگ ہے مگر یہ جدائی وہ نہیں ہے جو علیحدگی سے پیدا
ہوتی ہے ۔

فاعل لا بمعنی الحركات والآلة ، وہ فاعل ہے مگر اس کے یہ معنی
نہیں ہیں کہ حرکت اور آلات سے کام لیتا ہے ۔

بصیر اذلا منظور الیہ من خلقہ ، وہ اس وقت بھی بصیر تھا جب
 اس کی مخلوق میں کوئی چیز دیکھنے کے لئے نہ تھی ۔
 متوحد اذلا مسکن۔ یستانس وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ایسا
 بہ ولا یستوحش لفقدہ ، ساتھی نہیں جس کے رہنے سے
 اس کا جی لگے اور نہ رہنے سے دل گھبرائے ۔

عدل



اسلام سے پہلے جتنے توہمات اور مذاہب دنیا میں رائج
 تھے وہ خداوند عالم کو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح بے اصول
 و بے آئین سمجھتے تھے ۔ ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں
 کا مطالعہ کر جائیے ۔ مصر، کلدانیہ، یونان اور روم کا دینی
 لٹریچر اٹھا کر دیکھئے ۔ ہر جگہ آپ کو یہی ملے گا کہ جزا اور
 سزا صرف دیوتاؤں کی رضا اور غضب کا نام ہے ۔ وہ جس سے
 راضی ہوتے ہیں اس کو بالا مال کر دیتے ہیں ، جس سے
 ناراض ہو جاتے ہیں اس کا ستیاناس کر کے چھوڑتے ہیں ۔

یہودی اور عیسائی مذہب میں بھی خداوندِ عالم کی تصویر پرانے دیوتاؤں سے ملتی جلتی ہے ، وہ کبھی خوش ہو کر بنی اسرائیل کو اپنی منظورِ نظر قوم بنا لیتا ہے پھر ناراض ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت اور بربادی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ عیسائیوں کا تو اس یسویں صدی میں بھی یہ عقیدہ ہے کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے اللہ میاں ساری نسلِ آدم سے بیزار ہے۔ ہاں اگر ہم اس کے پیارے بیٹے مسیح کے خون پر ایمان لے آئیں تو وہ ہم سے راضی ہو جائے گا۔ قرآن نے ہم کو بتایا کہ کائنات کی ہر چیز آئین و قوانین سے جکڑی ہوئی ہے ، یہاں جو کچھ ہوتا ہے ایک خاص ضابطہ اور نظم کے ماتحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تم جس کو جزا یا سزا کہتے ہو وہ کسی مطلق العنان بادشاہ کی تلون مزاجی کا مظاہرہ نہیں ہے ، بلکہ عمل کا فطری نتیجہ ہے۔

من عمل صالحا فلنفسه ومن جس کسی نے اچھا کام کیا تو اساء فعلیها وما ربك اپنے نفس کے فائدے کے لئے بظلام للعید (حم: ۴۶) کیا (یعنی اس کے فوائد سے وہ بہرہ مند ہوگا) اور جس نے برائی کی تو (اس کا مزا بھی)

اس کا نفس چکھے گا۔ تمہارا رب اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں ہے (کہ جب چاہے ان کو بلا وجہ انعام و اکرام دے اور جب چاہے موردِ غیظ و غضب ٹھہرائے)

وَلْتَجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ کہ ہر نفس کو اپنی کائی کے وُہم لا تظلمون (جاثیہ : ۲۲) مطابق بدلہ ملے اور ان پر (کسی قسم کا) ظلم نہ ہو۔

کائنات کے ذرے ذرے سے قانونِ مکافات کا ظہور، موجوداتِ عالم میں ہر شے کا علل و اسباب اور اثر و نتائج کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہاں ایک عادل و منصف کی حکومت ہے، جس کا ایک مظہر رحمت ہے اور دوسرا غضب اور یہ دونوں عدل پر مبنی ہیں۔

قدیم زمانے میں جب فطرت انسانی منزلِ طفولیت سے گذر رہی تھی، اور کرۂ ارض کے ایک ایک انچ پر اس کو اپنی بقاء کے لئے ہزاروں دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا، کہیں دلدل تھی اور اس کے خون آشام مچھر تھے، کہیں گھنے جنگل تھے اور اس کے اندر رہنے والے خونخوار

درندے تھے، کہیں لق و دق ریگستان اور اس کی صعوبتیں
 تھیں۔ مصائب و آلام اور تنازع للبقا کے اس صبر آزما دور
 میں انسان جب معبود کا تصور کرتا تھا تو اس کی صفت قہاری و
 جباری ہی اس کے سامنے زیادہ نمایاں ہو کر آتی تھی۔ لیکن
 آہستہ آہستہ تمدن و تہذیب کی ترقی نے جب آرام و آسائش
 کے سامان مہیا کر دیئے، اور اس کو اپنی دنیا کے اندر جمال و رافت
 کا پہلو بھی نظر آنے لگا تو اس کے تصورِ معبود میں یہ صفات بھی
 شامل ہو گئیں۔ اب ایک طرف اگر ان دیوتاؤں کی پرستش ہوتی
 تھی جو قہر و غضب کے معدن تھے تو دوسری طرف ان معبودوں
 کے گیت بھی گائے جاتے تھے جو رحم و کرم کے مخزن تھے۔
 اسلام نے بتایا کہ یہ دونوں قسم کے معبود انسانی ذہن کی مخلوق ہیں،
 خالق کائنات وہ ہے جس کی حکومت کی بنا عدل و انصاف پر
 ہے، نہ اس کا فضل و کرم بلا سبب ہوتا ہے، نہ قہر و غضب
 بلا ضرورت۔

اسلام کے آنے سے پہلے بھی اور اسلام آنے کے بعد بھی
 لوگ جب دنیا میں مصائب و آلام اور تکلیف و اذیت کا ہجوم
 دیکھتے تھے تو گہرا اٹھتے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا

تھا کہ اگر خدا رحیم و کریم ہے تو یہ مصائب و آلام کیسے
 اور رنج و غم کہاں؟ بالآخر یہی کہنا پڑتا تھا کہ اللہ مالکِ
 کل ہے اور حاکم علی الاطلاق۔ اس کے لئے نہ کوئی آئین ہے،
 نہ قانون، جو چاہے سزا دے، اور جس کو چاہے سزا دے۔
 آئمہ اہل بیت نے قرآن کی آیات سے استدلال کر کے
 ہم کو بتایا کہ

کل نفس بما کسبت رھینۃ ۵ ہر نفس اپنی کجائی کے ساتھ
 (مدثر: ۳۸) بندھا ہوا ہے۔

لھاما کسبت وعلیھما اکتسبت ط وہ اپنے کئے کا پھل پاتا ہے؛
 (بقرہ: ۲۸۶) اچھے کا اچھا، اور برے کا برا۔

اگر خداوندِ عالم بے اصول و بے آئین، ظالم اور
 متلون المزاج ہوتا، تو تم گیہوں بو تے اور جو پیدا ہوتے، تم
 انگور کی بیلین لگاتے اور اس میں انار کے پھل لگتے، تم
 برف ہاتھ مین لیتے اور وہ آگ کا دھکتا ہوا انگارا بن جاتا
 اور تمہارے ہاتھ کو جلا دیتا۔ اور کبھی تم کھانا پکانے کے
 لئے آگ لیتے اور وہ برف کی طرح سرد معلوم ہوتی۔ پھر جب
 دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے ضابطہ اور قانون کا یہ حال

ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ہمارے اچھے عمل کا برا اور برے کا اچھا بدلہ دے ۔

بس یہی عدل ہے ۔ عدل کے معنی ہیں برابر ہونا ۔
 نہ کم نہ زیادہ ۔ وہ حاکم جو دو فریق کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتا ہے اور ایک دوسرے کی زیادتی کو روکتا ہے عادل کہلاتا ہے ۔ ظلم کے معنی ہیں وضع الشی فی غیر محلہ (کسی چیز کا ایسی جگہ ہونا جہاں اس کا محل نہ ہو)۔

چھوٹے چھوٹے ذروں سے لے کر بڑے بڑے اجرام سماوی تک جہاں جہاں آپ نگاہ ڈالیں گے عدل وقسط کا رفرما نظر آئیں گے ۔

یہی عدل جو دو انسانوں اور دو قوموں میں صلح و صفائی قائم رکھتا ہے جب اشیاء میں نمودار ہوتا ہے تو ان کے اجزائے ترکیبی میں تناسب اور اعتدال قائم کر دیتا ہے ۔

ذرا کرۂ ارض پر نگاہ ڈالئے ۔ یہاں کونسا ”وجود“ ایسا ہے جو خدا کی صفت عدل کا شاہد نہیں ۔ چیونٹی کتنی چھوٹی سی مخلوق ہے ، مگر اس کا جسم بھی عناصر کے اعتدال سے قائم اور باقی ہے ۔ اگر ان عناصر کے عدل

میں فرق آجائے تو یہ ننھی سی جان آناً فاناً خاک میں
مل جائے۔ اب ہاتھی کو لے لیجئے یہ ڈیل ڈول والا
حیوان بھی اپنی حیات و بقا کے لئے عدل ہی کا محتاج ہے۔
اجزائے ترکیبی ذرا نقطۂ اعتدال سے ہٹے اور یہ کوہ پیکر
دھڑام سے زمین پر گرا۔

حسن و جمال جس پر تم جان دیتے ہو، کیا ہے؟
تناسب، توازن اور اعتدال ہی کا دوسرا نام ہے۔ کام و دھن
کو لذت اندوز کرنے والے کھانے، جنت نظر بنانے والے نظارے
اور فردوس گوش نغمے کیا ہیں؟ اس عدل ہی کی اعجاز
بنائیاں ہیں۔ وہ خالق کائنات خود بیان فرماتا ہے کہ ہم تخلیق
میں عدل سے کس طرح کام لیتے ہیں۔

الذی خلقک فسواک فعدلک ۝ (وہ اللہ) جس نے تم کو پیدا
فی ای صورة ماشاء رکبک ۝ کیا، پھر (تمہاری ظاہری و باطنی
(انفطار: ۷-۸) قوتوں میں) عدل و تناسب
ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاہی اس کے مطابق
ترکیب دیدی۔

کرۂ ارض ہی پر کیا موقوف ہے، کارخانۂ ہستی کا تمام

نظام عدل و توازن پر قائم ہے۔ یہ نظام شمسی کے ہر سیارے کا اپنی اپنی جگہ معلق رہنا، اپنے اپنے فلک پر گردش کرنا اور ایک کا دوسرے کی راہ میں حائل نہ ہونا آخر کس لئے ہے؟ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ دوسرے نظاموں کا اپنے اپنے حلقہ عمل میں دائر و سائر ہونا اور ایک کا دوسرے سے ٹکرا نہ جانا کیوں ممکن نہیں؟ اس لئے کہ وہ سب قانونِ عدالت کے پابند ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لئے یہ آئینِ عدل غائب ہو جائے تو فوراً کارخانہ کائنات درہم برہم نظر آنے لگے۔

اب ذرا غور تو کیجئے کہ جب یہ قانونِ عدل محفل ہستی کے ہر گوشہ میں کارفرما ہے۔ اور موجودات اپنے قیام و ظہور اور بقاء و نمو کے لئے اسی کی محتاج ہیں؛ تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جو خلعت حیات بخشتا ہے، جو کارخانہ ہستی کو چلا رہا ہے، جس کی ذات و صفت سے عالم کی نمود ہے خود بھی عادل ہوگا؛ کہ اگر وہ عادل نہیں ہے تو پھر یہ کائنات میں عدل کی کارفرمائی کس لئے ہے، اور کہاں سے ہے؟ فرماتا ہے:-
ان الله ليس بظلام للعبيد بیشك الله اپنے بندوں پر ظلم

(انفال: ۵۱) کرنے والا نہیں ہے۔

سوال ہوتا ہے اور معقول سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ رحیم بھی ہے، کریم بھی ہے، خالق بھی ہے، قاهر بھی ہے اور جبار بھی ہے۔ پھر عدل ہی میں کیا خصوصیت ہے کہ صرف اسی کو اصول دین میں شامل کیا جاتا ہے؟ اللہ اسم ذات ہے اور علم ہے اس ذات کے لئے جو تمام صفات حسنہ سے متصف ہے اور یہ صفتیں اس کی عین ذات ہیں۔ جب ہم اللہ کا لفظ منہ سے نکالتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ایسی ذات کا تصور آ جاتا ہے جس میں تمام صفات حسنہ موجود ہیں۔ مگر ممکن تھا کہ اس کا رحم اس حد پر ہوتا کہ کائنات اس کے قہر و غضب سے بے نیاز ہو کر طغیان و تمرد میں مبتلا ہو جاتی۔ یا قہر و غضب کا یہ عالم ہوتا کہ یہاں ہر آن و ہر لمحہ عذاب ہی عذاب نازل ہوتا رہتا۔ اسی طرح دوسری صفتیں بھی یا تو اعتدال سے بڑھی ہوئی ہوتیں یا پھر ان کا استعمال بے موقع ہوتا۔ آل محمد نے ہم کو بتایا کہ اس کی ذات عدل کے زیور سے آراستہ ہے، اس لئے کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں توازن، اعتدال اور تناسب پایا جاتا ہے۔ نہ کوئی چیز بے موقع ہے نہ بے کار۔ نہ قبل از وقت ظہور میں آتی ہے، نہ بعد از وقت،

یہاں ہر عمل اپنی جزا رکھتا ہے۔ جزا اور سزا عامل کی صورت دیکھ کر نہیں دی جاتی؛ ایسا نہیں ہے کہ امیر بیول کے درخت بوئے اور آم پیدا ہونے لگیں، غریب آم بوئے اور بیول کے درخت پیدا ہو جائیں۔ جزا قوم، قبیلے اور رنگ روپ سے بھی متاثر نہیں ہوتی؛ حبشی کے اعمال اور رومی کے افعال اگر یکساں ہیں تو نتیجہ بھی یکساں ظاہر ہوگا۔ جب یہ ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت دونوں میں اسی عادل خدا کی بادشاہت ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ یہاں قانونِ عدل کارفرما ہو اور آخرت میں اس کی نمود نہ پائی جائے۔



رسالت

نبوت — امامت

بہت نہ سہی، اگر کائنات پر کم از کم دو ہی خدا حکمران ہوتے تو یہ ماننا آسان تھا کہ ایک خدا فطرت کا خالق ہے اور دوسرا آسمانی کتابیں بھیجا کرتا ہے۔ ”اس لئے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوانین فطرت کا تقاضا کچھ اور ہے اور

آسمانی کتاب کا مطالبہ کچھ اور۔ فطرت اپنی ازلی فیاضیوں کی بنا پر ہم کو صنفی جبلت (Sex Instinct) عطا کرتی ہے ؛ اور آسمانی کتاب کہتی ہے کہ خبردار عورت کے پاس بھی نہ جانا، یہ کالا ناگ ہے، بس ڈس ہی لے گا۔

فطرت ہم کو حفظ ذات (Self-Preservation) کا سبق پڑھاتی ہے ؛ کائنات کے ذرے ذرے میں اور ہمارے جسم کے ہر بنِ مو میں دشمن کا مقابلہ کر کے اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کا رجحان ودیعت کیا گیا ہے ؛ اور آسمانی کتاب ہے کہ اہمسا کی تعلیم دے رہی ہے کہ ”جو تیرے ایک رخسار پر چاٹنا رسید کرے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دے۔“

فطرت ہم کو اس طرف بلا رہی ہے کہ ہر کام مل جل کر کرو کہ نظام مجلسی تعاون و اشتراک کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ مذہب یہ کہتا ہے کہ جبلتِ اجتماعی (Gregarious Instinct) کو ٹھکرا کر گوشہ نشینی اختیار کرو۔ بستیوں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں کو بساؤ۔ خود کچھ کام نہ کرو ہاں دوسروں کی کھائی ہوئی دولت سے پیٹ بھر تے رہو کہ نجات کی راہ اور

حیات ابدی کا ذریعہ یہی ہے ۔۔۔

لیکن جب ہم ایک ہی خدا کے قائل ہوں ، اور اسی کو خالقِ فطرت اور منزلِ کتاب مانیں ؛ اور پھر ایک ایسا مذہب دنیا کے سامنے پیش کریں جس کے قوانین آئینِ فطرت کے خلاف ہوں ، تو ہمارے پاس کوئی عذر ایسا نہیں رہتا کہ عقل کی بارگاہ میں قابلِ پذیرائی ہو سکے ۔

اسلام دینِ فطرت ہونے کا مدعی ہے (فاقم وجهک للدين حنیفاً فطرت اللہ الی فطرت الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ط ذالک الدین القیم) و لکن اکثر الناس لا یعلمونہ (روم : ۳۰) اس لئے اس کے جملہ آئین و قوانین کی بنیاد فطرت پر ہونی چاہئے ۔ پوری کائنات کا جائزہ لینا تو ہمارے بس کی بات نہیں ، مگر اپنے گرد و پیش نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا کسی چیز کو خلعت وجود بخشتا ہے تو اس کی بقاء کے لئے سامان بھی مہیا کرتا ہے ۔ وہ منعمِ ازلی ہر ذات کو وجود کے ساتھ ساتھ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کی قوتیں بھی عطا کرتا ہے (یا دوسرے لفظوں میں) اس کے اندر ایسی قوت پیدا کرتا ہے جو اس کے لئے بمنزلہ ہادی

کے ہوتی ہے۔ خدا کا یہ قانون ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ خود ہی فرماتا ہے:—

ربنا الذی اعطی کل شیء ہمارا رب وہ ہے جس نے
خلقہ ثم ہدی (طہ : ۵۰) ہر چیز کو خلعت وجود بخشا
اور پھر (وسائل زندگی و معاش) کی ہدایت عطا کی۔

الذی خلق فسوی ، والذی وہ جس نے پیدا کیا اور تکمیل
قدر فہدی (اعلیٰ : ۲-۳) کی ، جس نے (اس کی قوتوں
اور جبلتوں) کا اندازہ مقرر کر دیا اور پھر (جد و جہد اور
وسائل معاش) کی ہدایت کی۔

جمادات اور نباتات میں اس قانون کی عملداری کا اندازہ
تو فلسفیوں اور سائنس دانوں کی دور میں نظریں ہی لگا سکتی
ہیں اور لگاتی ہیں، مگر حیوانات میں تو اس اصول فطرت
کا عمل دخل اتنا واضح ہے کہ ہر شخص کو نظر آسکتا ہے۔
مچھلی کے بچوں کو پانی میں تیرنا، چوپایوں کے نوزائیدہ کو
ماں کی پستان سے دودھ پیتا، آخر کون سکھاتا ہے؟ یہ اسی
ہادی کا فیضان ہے جس کو کبھی وجدان اور کبھی عقل حیوانی
کہا جاتا ہے۔

مرغی کے چوزے بلی کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ چیل کے آتے ہی سہم جاتے ہیں۔ سانپ کو دیکھ کر شور مچانے لگتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اسی پوشیدہ قوتِ ہدایت کی بنا پر جو خدا نے ان کو خلعت وجود کے ساتھ بخشی ہے، بلکہ ان کے وجود کا جزو ہے۔ انسانوں کے لئے تو خدا نے صاف صاف فرمادیا ہے:—

و نفسٍ وما سواها ۝ فالهمها نفس اور وہ چیزیں جو اس
فجورھا و تقواھا ۝ قد افلح کو معراج تکمیل تک
من زکھا ۝ وقد خاب من دسھا ۝ پہنچاتی ہیں خود شاہد ہیں
(شمس : ۷ تا ۱۰) کہ اس نے اس (نفس) کو
الہام کر دیا ہے کہ کیا چیزیں اس کو گمراہ کرتی ہیں اور کیا
چیزیں اس کو برائیوں سے بچاتی ہیں۔ پس جس نے تزکیۃ نفس
کیا، اس نے فلاح پائی، اور جس نے اس کو آلودہ کیا،
وہ ناکام و خاسر رہا۔

اس مختصر بحث کو اگر پورے طور پر زیر غور لایا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ فطرت کا یہ قانون ہے، اور خداوند عالم نے قرآن شریف میں اس قانون کی تصدیق کی ہے

کہ ہر فرد کے نظام جسم میں ایک ہادی موجود ہوتا ہے ، جو اس پر وسائل معاش منکشف کرتا ہے ؛ اور اس کو مضر چیزوں سے بچنے اور مفید چیزیں حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے ۔ اس ہدایت کو کبھی وجدان ، کبھی جبلت ، کبھی عقل حیوانی اور کبھی الہام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ یاد رکھئے کہ جب کوئی فرد قوانین فطرت کی خلاف ورزی کر کے عوارض و آلام میں مبتلا ہو جاتا ہے ، تو یہ عقل حیوانی بھی کمزور ہو کر رہنمائی سے قاصر رہتی ہے ۔ یا جب اس عقل سے کام لینا چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہ مدتوں تک معطل رہتی ہے ، تو بالآخر اس پر غیبت طاری ہو جاتی ہے ۔

جب ہم کرۂ ارض پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم کو دو قسم کے جاندار نظر آتے ہیں ۔ ایک تو وہ جو انفرادی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ دوسرے وہ جو مل جل کر رہتے ہیں ۔ انسان کا تعلق اسی دوسری قسم کے جانداروں سے ہے ۔ آئیے دیکھیں کہ :: مل جل کر رہنے والے جاندار اپنی سوسائٹی کے نظام کو کس طرح قائم

رکھتے ہیں ؟

دیمک، شہد کی مکھیاں، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ کو ان کے فطری ماحول میں دیکھئے۔ یہ اجتماع پسند جاندار چھوٹے بڑے گروہ بنا کر رہتے ہیں۔ اور ان کے ہر گروہ میں ایک قائد، امیر اور رہنما ہوتا ہے، جس کو فطرت کی طرف سے قیادت کی صلاحیت اور بصیرت عطا کی جاتی ہے۔ ساری کی ساری جماعت اس قائد کی زیر نگرانی اپنے اپنے فرائض منصبی میں مشغول رہتی ہے اور اس کی رہنمائی میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کرتی ہے۔ ان جانداروں کی نقل و حرکت کا غائر مطالعہ کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ درحقیقت ان کا قائد فطری اور جبلی طور پر اپنے اندر قیادت کی ایسی صلاحیت رکھتا ہے کہ کلیات کیا جزویات میں بھی غلطی کا ارتکاب نہیں کرتا۔

ذرا دیمک کے نشیمن پر نظر ڈالئے۔ یہ دن کے اجالے سے دور، سورج کی روشنی سے پرے، تیرہ و تاریک مقامات پر رہتی ہے۔ جنوبی امریکہ میں اس کے نشیمن ۲۰ ۲۰ فٹ اونچے مقامات پر بھی دیکھے گئے ہیں۔ اللہ اللہ اس ملک میں اس

کی جائے سکونت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لاکھوں دیمکیں مل جل کر رہتی ہیں۔ مگر کیا مجال ہے کہ کوئی اپنے فریضہ سے غافل ہو، اور حرام خوری کرے۔ ہر فرد اپنے قائد کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے۔ اور فطری قیادت کی بدولت اس چھوٹے سے جاندار نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے، یہاں تک کہ اس کے نشیمن میں چھوٹے چھوٹے باغ بھی ہوتے ہیں جو قائد اور نوزائیدہ دیمکوں کو خوراک بہم پہنچاتے ہیں؛ مگر قائد کے علاوہ کسی بڑی دیمک کی یہ ہمت نہیں ہے کہ اس باغ سے مستفید ہو سکے۔ جس طرح ہم اور آپ دودھ دینے والے جانور پالتے ہیں، اسی طرح خدا کی یہ ننھی سی مخلوق بھی کچھ ایسے چھوٹے چھوٹے کیڑے پالتی ہے جنکے پیٹ سے دودھ کی قسم کا رقیق و سیال مادہ نکل کر ان کے کام و دھن کی تواضع کرتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کے حیرت انگیز اجتماعی نظام کے حالات سے کون ناواقف ہے۔ ایک مکمل چھتے میں تقریباً دو ہزار نکھٹو اور تیس ہزار کارکن مکھیاں ہوتی ہیں اور ایک امیر کی زیر قیادت اپنے فرائض خیر و خوبی سے ادا کرتی ہیں۔ خداوند عالم اس لائحہ عمل کا ذکر کرتا ہے جو اس نے

شہد کی مکھیوں کو تلقین فرمایا ہے۔

و اوحی ربك الى النحل (تیرے رب نے شہد کی
ان اتخذی من الجبال بیوتا مکھی کی طرف وحی کی کہ
ومن الشجر وما یعرشون ۵ ثم کلی پہاڑوں میں، درخت پر اور ان
من کل الثمرات فاسلکی سبل ٹیوں میں جو اس کام کے
ربك ذللاط (نحل : ۶۸-۶۹) لئے بلند کی جاتی ہیں اپنے
لئے چتھے بنائے۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسے اور
اپنے رب کی (بتائی ہوئی) راہوں پر جھک کر چلتی رہے)

وسط ایشیا میں گھوڑوں کے گلوں پر نظر ڈالئے۔ برما جا کر
ہاتھیوں کے غولوں کا غائر مطالعہ کیجئے۔ وہاں آپ کو یہ منظر
بڑی وضاحت کے ساتھ نظر آجائے گا کہ ان مضبوط اور توانا
جانوروں کی مختلف ٹولیاں ایک قائد کے پیچھے لگی رہتی
ہیں۔ برسوں کے نسلی تجربات اور فطرت کے روز افزوں
عطیات نے اس قائد کو یہ سلیقہ عطا کیا ہے کہ وہ آسان
راستوں سے اپنے گلے کو ان مقامات کی طرف لے جاتا ہے
جہاں اچھا چارہ بآسانی مل سکتا ہے، ہر خطرہ سے ان
کی نگرانی کرتا ہے، اور ہر آفت سے ان کو بچاتا ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ قائد فطرت کی طرف سے استعدادِ قیادت لے کر آتا ہے اور یہ استعداد نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یعنی ہر اجتماع پسند جاندار کی جماعت میں ہمیشہ ایک قائد فطرت کی طرف سے موجود رہتا ہے۔ فطرت کے علاوہ یہ منصبِ قیادت نہ اس کو کوئی بخشتا ہے، نہ اس سے کوئی چھین سکتا ہے۔

آپ نے موسمی پرندوں (Migratory Birds) کا حال پڑھا ہوگا۔ بلکہ بہت سوں کو دیکھا بھی ہوگا۔ قاز، تلیر، کوئل وغیرہ پرندوں کی اسی قسم میں شامل ہیں۔ یہ مقررہ موسم میں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ اور مقررہ مدت کے اندر ہزاروں میل کا سفر بغیر خطا و نسیان کے طے کر لیتے ہیں۔ اللہ اللہ ان بظاہر بے عقل و تمیز پرندوں کو دیکھئے، پھر ہزاروں میل کی مسافت، سفر کے خطرات، عالم غربت کی صعوبات پر غور کیجئے۔ قدرت کا یہ محیر العقول کارنامہ قائد ہی کی رہنمائی سے ظہور میں آتا ہے اور لاکھوں سال سے برابر ظہور میں آرہا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ وماس دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحہ الا امم امثالکم، (انعام: ۳۸)

(زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں کہ جو تمھاری طرح امتوں میں منقسم نہ ہو) الغرض کرۂ ارض پر نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خدا نے فرد کی حفاظت، حیات اور بقا کے لئے اس کو عقل حیوانی عطا کی ہے، کہ اس کی مدد سے وہ اپنی مقررہ حدود کے اندر منازلِ ترقی طے کرتا ہے، اسی طرح جماعتوں کے نظم و نسق اور ترقی کے لئے وہ قائد مقرر کرتا ہے۔ اس قائد کا درجہ جماعت میں وہی ہوتا ہے جو فرد کے نظامِ جسم میں عقل کا۔ مگر یاد رکھئے کہ جس طرح عقل قوانین فطرت کی خلاف ورزی کرنے سے معطل، کمزور اور بالآخر غائب ہوتی جاتی ہے، اسی طرح جاندار جب فطری ماحول سے نکل کر مصنوعی ماحول میں آجاتے ہیں تو آہستہ آہستہ استعدادِ قیادت ان میں سے غائب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گھوڑے، ہاتھی اور دوسرے اجتماعیت پسند جاندار جب اپنا فطری ماحول چھوڑ کر انسان کی غلامی قبول کر لیتے ہیں اور نیچر کے مناسب و مفید دسترخوان سے اٹھ کر انسان کے مہمان خانے میں آجاتے ہیں، تو آہستہ آہستہ

ان کی صلاحیت رہنمائی سلب ہو جاتی ہے۔ جو شخص چاہے وہ جنگل کے گھوڑے اور اصطبل کے گھوڑے، جنگل کے ہاتھی اور فیل خانے کے ہاتھی کی حالت کا مقابلہ کر کے اس فرق کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

اجتماعیت پسند (سوشل) جانداروں پر پھر نظر ڈالئے، دیکھئے کہ وہ ایک قائد کی رہنمائی میں زندگی کی دشوار گذار گھاٹیاں طے کر رہے ہیں، اور حیات کے مشکل مسائل حل کرنے میں مشغول ہیں۔ یہ قائد اپنے ہم جنسوں سے بلحاظ فراست و طاقت اشرف و اعلیٰ نظر آتا ہے۔ اس کی دور بینی اور بصیرت، شجاعت اور قوت اس کو اپنے افرادِ معاشرہ سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ دور بینی اور بصیرت اس کو کہاں سے ملتی ہے؟ موجودہ عہد کے حکماء یہ کہتے ہیں کہ لاکھوں سال کے عرصہ میں جانداروں کی کوئی نسل جو تجربات حاصل کرتی ہے، وجدان، جبلت اور حواس کی مدد سے جو معلومات کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے، وہ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح قائد بیٹا اپنے قائد باپ سے وہ تمام ذخیرہ معلومات حاصل کرتا ہے جو اس کو جماعت کی رہنمائی اور حفاظت میں مدد

دیتا ہے۔

قرآن اس ذخیرہ معلومات کو ”کتاب“ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور ہم کو بتاتا ہے کہ ہر قائد ایک کتاب ہدایت اپنے وجود کے ساتھ لے کر آتا ہے :: اور اسی کتاب کی مدد سے وہ اپنے فرائض قیادت انجام دیتا ہے۔ یہ کتاب اس کی نسل میں وراثتاً منتقل ہوتی رہتی ہے۔ نہ اس طرح کہ ہر ایک کو ملے بلکہ اللہ اس کی نسل سے جس کو چاہتا ہے پسند فرمالتا ہے (ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا) فاطر: ۳۲

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مصنوعی ماحول میں رہنے والے جانداروں سے یہ استعداد قیادت سلب ہو جاتی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس پر غیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اگر یہ جاندار پھر فطری ماحول کی طرف لوٹ جائیں، تو آہستہ آہستہ یہ استعداد پھر واپس آسکتی ہے۔ وہ گھوڑے جو انسان کی غلامی سے آزاد ہو کر جنگل میں جا بستے ہیں ان کی آئندہ نسلوں میں

:: چنانچہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مہد میں یہ کہہ رہے تھے:

انی عبد اللہ اتانی الكتاب وجعلنی نبیاً۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک انجیل نازل نہیں ہوئی تھی۔ یہ اشارہ تھا اسی کتاب وجودی کی طرف۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قائد ایک کتاب وجودی ساتھ لیکر آتا ہے اور پھر ایک کتاب تنزیلی اس کو آئندہ آہستہ آہستہ عطا کی جاتی ہے۔

یہ استعداد واپس آجاتی ہے۔

اب تك تو حيوانِ مطلق کا ذکر تھا۔ اب انسان کو لے لیجئے کہ یہ بھی اجتماعیت پسند حیوانوں کے گروہ میں شامل ہے۔ احوال و آثارِ قدیمہ کا معائنہ اور تاریخِ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان فطری ماحول سے جس قدر زیادہ قریب رہا، فطری سلسلہٴ ہدایت سے اسی قدر زیادہ مستفید ہوتا رہا، مگر نام نہاد تمدن و تہذیب نے اس کو فطرت سے جس قدر دور کر دیا، رسول اور قائد کے فیض سے یہ اسی قدر محروم ہوتا گیا۔

یاد رکھئے کہ میں جب فطری ماحول کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد وحشت، بربریت اور درندگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ زندگی ہوتی ہے جو قوانینِ فطرت کے مطابق ہو اور انسان کے بنائے ہوئے جھوٹے آئین سے اس کو دور کا بھی لگاؤ نہ ہو۔ قرآن کہتا ہے :-

وما كان الناس الا امة واحدة ابتدا میں انسان ایک گروہ تھے۔
فاختلفوا (یونس : ۱۹) پھر باہم دگر مختلف ہو گئے۔
كان الناس امة واحدة ط فبعث (ابتدا میں) انسان ایک ہی

اللہ النبین مبشرین و منذرین ص (گروہ تھے) - (جب اختلاف وازل معہم الکتاب بالحق پیدا ہوا تو) اللہ نے بشارت لیحکم میں الناس فیما اختلفوا فیہ دینے والے اور ڈرانے والے (بقرہ: ۲۱۳) نبی بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل کی تاکہ وہ انسانوں کے اندر جن چیزوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا ان کا فیصلہ کریں۔

بنی آدم آہستہ آہستہ مختلف قوموں میں تقسیم ہو تے چلے گئے، آب و ہوا کے اثر اور جغرافیائی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ان کے رنگ روپ اور چہرے مہرے میں فرق پیدا ہونے لگا۔ مگر خدا انسانوں کی ہر قوم اور ہر نسل کو ہادی عطا فرماتا رہا۔ لکل قوم ہاد (رعد: ۷)

نسل آدم نے بڑھنا شروع کیا اور جس گروہ کو جدھر خوراک ملی اور آرام نظر آیا ادھر جانکلا۔ کوئی مصر، عراق، عرب اور فلسطین میں جا بسا؛ کسی نے ملک ہند آ آباد کیا؛ کوئی ایران میں رہ گیا؛ کوئی یورپ کی طرف جانکلا؛ مگر اللہ کسی کی ہدایت سے غافل نہیں رہا، ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً (نحل: ۳۶) (ہم نے ہر امت میں ایک رسول مبعوث کیا)۔

ابتدا میں جب سفر کی دشواریاں زیادہ تھیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک جانا مشکل تھا، تو انسانوں کے یہ مختلف گروہ ایک دوسرے سے مل جل نہ سکتے تھے؛ اس لئے ہر جگہ علیحدہ علیحدہ نبی بھیجنے کی ضرورت تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:—
وَمِ ارسلنا من نبی فی الاولین (زخرف: ۶)

آہستہ آہستہ نسل انسانی ذہنی ارتقا کی منزلوں سے گذرتی گئی، فاصلے طے ہونے کے سامان مہیا ہو گئے، فن تحریر ایجاد ہو گیا۔ اس طرح ایک قوم دوسری قوم سے قریب آ گئی اور ایک نسل کا علمی ورثہ دوسری نسل کے لئے محفوظ ہو گیا۔ اب انبیا اور رسل کے ہر جگہ اور جلد جلد آنے کی ضرورت نہ رہی۔

لاکھوں برس سے نسل انسانی آہستہ آہستہ ارتقائی منازل سے گذر رہی ہے۔ حضریات، آثار قدیمہ، لسانیات، آسمانی اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسانی ذہن تدریجی ترقی میں مصروف ہے۔ مگر انسان بڑی حد تک فاعل مختار ہے۔ اور خدا صرف نیک و بد کی تعلیم دے کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ چکا ہے (انا ہدیناہ السبیل اما شاکراً واما کفوراً ۵ دھر: ۳) اس ظالم نے اپنی ذہانت و فطانت سے جس

تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے اور جس تمدن کو اختیار کیا ہے، وہ اس کو فطری زندگی سے بہت دور لئے جا رہا ہے۔ ہماری یہ مشکلات، یہ دماغی پریشانیاں اور جسمانی عوارض جن سے آئے دن ہم کو سابقہ رہتا ہے ہماری مصنوعی زندگی ہی کا نتیجہ ہیں۔ جس طرح جانور فطری ماحول میں جسمانی اور روحانی ہر قسم کے عوارض سے بری رہتے ہیں اور انسان کی قید میں آکر ہر قسم کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی طرح انسان بھی اگر اپنے طرز بود و ماند، غذا اور دیگر ضروریات کو فطری قواعد کے ماتحت رکھتا، تو یہ سیاسی و معاشی ہنگامے برپا نہ ہوتے، جنہوں نے سچ مچ نسل انسانی کو مبتلائے صد بلا کر دیا ہے؛ اور جن کی وجہ سے یہ نظر آ رہا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار رہا تو کرۂ ارض پر بنی آدم کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

ہمارا ذہنی ارتقا اور دماغی نشو و نما ہم کو غلط راستہ پر لئے جا رہا ہے۔ اور ہم فطرت کی عطا کی ہوئی قوتوں سے مفید کے بجائے مضر کام لے رہے ہیں۔ اپنی بے راہ روی کی وجہ سے ہم ابتداءً کچھ مشکلات میں پھنس گئے

تھے۔ ان سے نکلنے کے لئے بھی ہم نے غلط طریقے سوچے اور اس سے ہماری مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس جانور کی طرح جو جال میں پھڑ پھڑا رہا ہو اور جتنا زیادہ پھڑ پھڑائے، جال کے جکڑ بند میں اتنا ہی زیادہ جکڑتا جائے، ہم مشکلات کی قید و بند میں اسیر ہیں اور نکلنے کی جو تدبیر کرتے ہیں وہ الٹی پڑتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک نام نہاد تہذیب و تمدن نے غیر فطری اصول پر نشو و نما پانا شروع نہ کیا تھا، نسل انسانی کی جماعتیں اپنے قائد کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتی تھیں۔ اور اس قائد کی پہچان یہ تھی کہ وہ علم اور جسم کے اعتبار سے اپنی جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز ہوتا تھا۔ اپنے خدا داد علم کی بدولت وہ جماعت کو فطرت کے رازوں سے مطلع کرتا اور ان کو مادہ سے دست و گریباں ہو کر ترقی کی راہ پر چلنا سکھاتا، اور جسمانی قوت کی بدولت ان کو دشمن سے محفوظ رکھتا اور آپس میں جنگ و جدل سے روکتا۔ یوں ہی وقت گذرتا گیا۔ پہلے جب بنی آدم کم تھے اور اللہ کی زمین وسیع تھی، تو لوگ درختوں کے

پہلوں، خودرو ترکاریوں، اناج اور شکار کے گوشت سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ لیکن پھل، ترکاریاں اور غلہ ہرجگہ نہیں پائے جاتے۔ اور شکار کے جانور بھی ہرجگہ نہیں ملتے، اور ملتے ہیں تو ہر وقت بآسانی ان کا ہاتھ آنا دشوار ہے؛ اس لئے ثمردار درختوں، ترکاریوں اور پہلوں کی کاشت شروع ہوئی؛ اور جانوروں کو پالا جانے لگا۔ اس طرح ذاتی ملکیت کی داغ بیل پڑی۔ جو شخص جس زمین میں کاشت کرتا وہ اسی کی ملکیت ہو جاتی؛ اور جن جانوروں کو پالتا وہ اس کا مال سمجھے جاتے۔ ہر زمین کی حالت یکساں نہیں ہے۔ بعض قطعات تو بالکل بنجر اور اوسر ہیں، بعض زرخیز اور سیر حاصل؛ اس لئے جن کے پاس اچھے قطعاتِ اراضی تھے وہ ان لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے تھے جو اس نعمت سے محروم تھے۔

حرص و طمع کا برا ہو کہ اس نے لوٹ مار اور قتل و غارت کی داغ بیل ڈالی اور ہوشیار و توانا لوگ کمزوروں کو ماریٹ کر ان کی زمین اور ان کے مال و متاع پر قابض ہو نے لگے۔ اب تک کمالِ علم و قوت ذریعہٴ تفوق تھا اور خدمتِ خلق میں صرف ہوتا تھا۔ اب زرخیز زمینوں کی ملکیت اور دولت کی

فراوانی ذریعہ تشخیص بن گئی۔ اب بڑے زمیندار اور بڑے دولت مند لوگ غریبوں پر حکومت چلانے کے لئے ہاتھ پیر نکالنے لگے؛ اور آہستہ آہستہ اس تمدن کی بنیاد پڑی جس کی انتہا موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ہے۔

اب انسان کا علمی کمال اور جسمانی تفوق خاک میں مل گیا، اور عظمت صرف دولت کے ذریعہ سے ملنے لگی۔ ابراہیم و نمرود، موسیٰ و فرعون اور شیر و یزید کی معرکہ آرائی دراصل ان دو نظریوں کی جنگ تھی کہ آیا قوم کی قیادت کا حق صاحب ثروت و دولت کو ہے، یا صاحب علم و عمل کو؟ ابتدا میں چونکہ دماغی اور جسمانی فضیلت ہی نشانِ قیادت تھی، اس لئے لوگوں کو قائدین کی پہچان میں دقت نہ ہوتی تھی، اور ہرکس و ناکس قیادت کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا؛ اور چونکہ سوسائٹی عدم مساوات اور امتیازات سے آشنا نہ تھی، اس لئے قیادت اور خدمت دراصل دو مترادف لفظ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب قیادت کوئی منفعت بخش پیشہ ہی نہ تھا، تو اس میں مقابلہ و مسابقہ کی گنجائش ہی کیا تھی۔ مگر جب ”زروزمین“ کی غیر عادلانہ تقسیم نے سوسائٹی میں

امتیازات قائم کر دئے ، تو دولت مندوں کے گرد صاحبانِ احتیاج کا جمع ہونے لگا۔ اور ہاں میں ہاں ملانے والوں کے اس گروہ کو دیکھ کر ان کو بھی شوقِ قیادت پیدا ہوا۔ جسمانی قوت کی تلافی انہوں نے تنخواہ دار لشکر رکھ کر کرلی اور دماغی افلاس کا علاج ہوشیار خوشامدیوں کی بزمِ مشورت سے کرنا چاہا۔

اس طرح منصوص من اللہ قائدین کے مقابلہ میں خود ساختہ قائدین کی صف آرائی شروع ہو گئی ، آہستہ آہستہ انسانوں کا مصنوعی تمدن بڑھتا گیا اور نسلِ آدم قوانینِ فطرت سے دور ہوتی گئی۔ غذا، پوشش، طرزِ بود و ماند، تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن ہر چیز میں مصنوعی عنصر کا غلبہ ہوتا گیا۔ تصنع و تکلف جس قدر بڑھا، اسی قدر جسم و عقل کا تعلق فطرت سے منقطع ہوتا گیا، جسم بھی علیل رہنے لگے، اور عقل بھی۔ جسم بھی مصنوعی طور پر طاقتور بنائے جانے لگے، اور عقل بھی۔ آہستہ آہستہ عصمتِ فکر و عصمتِ عمل مٹی گئی اور فطری قائدین کی تعداد گھٹنے اور مصنوعی قائدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ فطری قائدین

مصنوعی ماحول میں شاذ و نادر پیدا ہوئے، ہاں ان قوموں میں ان کا ظہور ہوتا رہا جو مصنوعی ماحول سے بڑی حد تک دور تھیں۔ ہمارے سامنے پوری دنیا کی تاریخ دعوت و تبلیغ نہیں ہے۔ ہم صرف مغربی ایشیا اور اس کے آس پاس کے ممالک میں رہنے والی سامی نسلوں کی دینی تاریخ سے واقف ہیں۔ اس کا مطالعہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ کلدانیہ، بابل، نینوا، اشوریا، مصر، فلسطین اور عرب میں نام نہاد تہذیب و تمدن نے جس قدر ترقی کی یا فطری ماحول سے جس قدر دوری بڑھی، اسی قدر وحی الہی کی آواز سے محرومی ہوتی گئی۔

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے اس طبقہ میں مبعوث ہوئے اور اس حصہ سرزمین میں پیدا ہوئے، جو نسبتاً تمدن کے مضر اثرات سے بچا ہوا تھا۔ ان کے بعد بنی اسرائیل میں انبیا کی آمد کا پتہ مشکل سے چل سکے گا۔ سامی نسل کی وہ شاخ جو بنی اسماعیل کہلاتی ہے عرصہ تک تاریخ کی روشنی سے محروم رہی، اس لئے اس کے سلسلہ ہدایت کا ہم کو زیادہ علم نہیں ہے۔ ہود و صالح وغیرہ چند پیغمبروں کے

نام البتہ سننے میں آتے ہیں۔ ہاں جب بنی اسرائیل کی زندگی پر غیر فطری ماحول اس قدر غالب آگیا کہ اب اس میں قائدِ ربانی پیدا کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی، تو بنی اسماعیل کے گھرانے میں وہ آفتابِ ہدایت طلوع ہوا جس کی روشنی سے سارا عالم منور ہو گیا۔ واضح رہے کہ رسولِ عربی کی ابتدائی زندگی طائف کے قریب، پہاڑوں کے دامن میں گزری، جہاں بڑی حد تک فطری ماحول موجود تھا۔ مبعوثِ برسات ہونے سے پہلے آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ صحرا میں بکریاں چرانے اور اسرارِ کائنات پر غور و فکر کرنے میں گذرتا رہا۔

نبی کے امی ہونے کی وجہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حرص و طمع نے انسان کو اپنی ذاتی ضروریات سے زیادہ زر و زمین رکھنے کی عادت ڈالی۔ اس ناجائز قبضہ کو برقرار رکھنے کے لئے فوجوں کی ضرورت پڑی۔ مگر صرف طاقت ہی کے بل بوتے پر یہ قبضہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ تلوار سروں کو جھکا سکتی ہے، مگر دلوں کو فتح نہیں کر سکتی۔ قائدینِ الہی کے

پاس وہ چیز تھی جو براہ راست دل و دماغ سے اپیل کرتی تھی۔ اس لئے ان نقلی قائدوں نے بھی جھوٹے فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ عوام کے دل و دماغ کو ماؤف کرنے اور اپنے زیرِ اقتدار لوگوں کو اپنے حال زار پر قانع رکھنے کے لئے اچھا خاصا لٹریچر مہیا کر لیا۔ نام نہاد تمدن کی جتنی خرابیاں تھیں سب کو ”ترقی“ کا نام دیا۔ اور جتنے غیر فطری افعال تھے ان کو تہذیب کے خوشنما لفظ سے تعبیر کیا۔

اقوال، ضرب الامثال، کتابوں اور کتبوں کے ذریعہ سے اس مصنوعی تمدن کا پروپیگنڈا کیا جانے لگا۔ جو شخص اس تہی دماغ سوسائٹی میں زندگی بسر کرتا، یا اس مسموم لٹریچر سے فائدہ اٹھاتا، اس کا دماغ ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتا۔ اور اس کا طریق فکر بھی بالکل انہی لوگوں کی طرح ہو جاتا تھا۔ داعی حق اور قائد ملت کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس مسموم ماحول سے علیحدہ رہے اور مفلوج طریق فکر سے متاثر نہ ہو، بلکہ براہ راست کتاب فطرت کا مطالعہ کرے۔ کائنات اور حیاتِ انسانی کے متعلق جو نتائج استنباط کرے وہ پامال اور فرسودہ نہ ہوں بلکہ ان میں فطرت

کی تر و تازگی اور نیچر کی سرسبزی ہو۔ اس لئے نبی کو مبعوث برسالت ہونے سے پہلے کائنات کا براہ راست مطالعہ کرنے کے لئے کئی سال کا وقفہ دیا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں وہ دشت و کوہ، بستی اور ویرانہ، پھول اور پھل، حیوان و انسان اور کائنات میں ان کے اصلی مقام، انسان کے باہمی تعلقات اور ان کے مضر و مفید اثرات پر خوب غور کر لیتا ہے۔ اور یہ غور و فکر کسی :: پچھلی کتاب یا قدیم نظریہ کی مدد و معاونت کے بغیر ہوتا ہے، اس لئے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ صحیح اور سچے ہوتے ہیں۔ اگر نبی اسی نہ ہو اور پہلے سے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے کر چکا ہو، تو اس کا طریق فکر اپنے استاد اور ان کتابوں کے اثر سے ماؤف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو اس کے زیر مطالعہ رہ چکی ہیں۔

نام نہاد متمدن زندگی سے دماغ پر جو اثر پڑتا ہے اور طریق فکر میں جو کجی پیدا ہو جاتی ہے اس کو دور، اور خود ساختہ تہذیب کے مسموم اثرات کا ازالہ (Disinfect)

کرنے کے لئے ان انبیا کو جو (اگرچہ ان قبائل میں پیدا ہوئے
 تھے جن کی زندگی فطرت سے قریب تھی۔ مگر) متمدن اقوام
 سے قریب تھے ہجرت کرنا پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم کی شہر
 ار (Ur) سے ہجرت اور فلسطین میں قیام، حضرت موسیٰ کا مصر
 سے نکل کر مدائن میں رہنا، حضرت عیسیٰ کا تیس سال کی عمر
 تک لاپتہ رہنا، خود رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم کا
 اوائل عمر میں قبیلہ بنی سعد کے اندر اور بعد میں اکثر شہر کی
 فضا چھوڑ کر جنگل میں زندگی بسر کرنا اسی غرض سے تھا۔
 مندرجہ بالا بیاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مامور
 من اللہ قائد فطری ماحول سے قریب انسانی گروہوں میں
 پیدا ہوتے ہیں اور وہیں ان کے دماغوں کو نشو و نما
 کا موقع دیا جاتا ہے۔ اور اپنے الہی پروگرام کے مطابق
 اسی فطری ماحول میں وہ ایک نمونہ کا معاشرہ قائم کرتے ہیں۔
 یہ ماڈل سوسائٹی اس لئے قائم کی جاتی ہے کہ اس کو دیکھ
 کر، اور اس میں تربیت یافتہ افراد کی تلقین و تعلیم سے متاثر
 ہو کر، وہ قومیں بھی ہدایت پا جائیں جو راہ حق سے بھٹکی
 ہوئی ہیں۔

جب ہم کسی تالاب میں ڈھیلا پھینکتے ہیں تو پانی میں
 موج پیدا ہوتا ہے اور ایک دائرہ سا بنتا ہے جو آہستہ آہستہ
 وسیع ہوتا جاتا ہے؛ اور جس قدر زور سے ڈھیلا پھینکا
 جائے اسی قدر یہ دائرہ زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ
 بعض دائرے تالاب کے کناروں تک جا کر ختم ہوتے ہیں۔
 نبی کی یہ ماڈل سوسائٹی اصل میں ایک موج ہوتا ہے جو
 بحر عالم میں پیدا کیا جاتا ہے اور منشا یہی ہوتا ہے
 کہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا جائے۔ مگر ٹھیک اس وقت جب
 پانی میں یہ موج پیدا کیا جا رہا ہو اگر دوسری طرف سے
 ردِ عمل ہونے لگے تو اس دائرہ کی وسعت رک جاتی ہے۔
 اسی طرح انبیا کی وہ تحریک جس کا آغاز فطری معاشرہ میں
 ہوتا ہے، اور جس کو آہستہ آہستہ نام نہاد متمدن و مہذب ممالک
 تک وسیع کرنے کی سعی کی جاتی ہے، بعض اوقات ردِ عمل
 کی وجہ سے اپنے اثرات کی توسیع سے محروم رہ جاتی ہے۔

آلِ محمد کا نظریہ

آلِ محمد کا نظریہ یہی ہے کہ اسلام اصلاحِ عالم کی ایک
 مکمل اور آخری تحریک تھی۔ عرب کے خطہ کو اس تحریک

کے آغاز کے لئے اسی وجہ سے منتخب کیا گیا تھا کہ وہاں فطری ماحول ابھی موجود تھا اور دین فطرت کے پھولنے پھلنے کے امکانات بھی زیادہ تھے۔ پھر یہ ملک زمین کے متمدن اور مہذب ممالک سے اتنا دور بھی نہ تھا کہ یہاں کی آواز نوع انسانی کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے متمدن ممالک سے اس خطہ کے تجارتی تعلقات تھے اور وہاں کے لوگوں کی آمد و رفت عرب میں ہوتی رہتی تھی۔ اگر یہاں ایک ماڈل سوسائٹی (جو دین فطرت کا عملی نمونہ ہو) وجود میں آجاتی تو اس کا مظاہرہ، اور اس کے تربیت یافتہ افراد کی عملی تلقین و تعلیم سے اس دکھ بھری دنیا کا نقشہ بدلنا آسان تھا۔

رسول عربی نے جزیرۃ العرب کو اپنے اصلاحی تجربہ کا معامل بنایا تھا۔ اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتے یا ان کے بعد یہ عمل اصلاح انہی لائٹوں پر جاری رہتا تو نتائج خاطر خواہ نکلتے۔ اور حج کے سالانہ موقع پر ہم دور افتادہ مسلم سوسائٹیوں کو اسلام کی ماڈل سوسائٹی سے ربط و ضبط قائم رکھنے اور اس کے عمل کی روشنی میں اپنے عمل کی

اصلاح کرنے کا موقع دیتے رہتے۔ مگر افسوس کہ رسول کریم کی وفات کے بعد ہی عرب تسخیر ممالک کے گورکھدھندے میں پڑ گئے۔ ابھی اسلام ان کے فکر و عمل پر پورے طور سے غالب بھی نہ آنے پایا تھا، تھوڑے سے افراد کو چھوڑ کر بقیہ پر صحیح اسلامی معاشرت کا رنگ پختہ نہ ہوا تھا، کہ روم و ایران کے مسموم تمدن سے ان کی ٹسکر ہوئی اور اگرچہ مادی فتح عربوں کے ہاتھ رہی، مگر ان کے اذہان و قلوب وہاں کے غیر فطری تمدن سے ماؤف ہو گئے۔ اور اس طرح رسول کریم کا وہ تجربہ جس کے لئے انہوں نے ۲۳ سال تک پاؤں بیلے تھے ناکام رہا۔

ایران و روم کی فتوحات کے بعد مسلمان ایک ایسی قوم ہو کر رہ گئے جو اپنی قوت، طاقت اور اعلیٰ تنظیم کی وجہ سے ہر روز نئے ملک فتح کرتی رہی اور اقوام غیر کے نظریات و معتقدات کے معبد پر اپنے اصول دین کے متاع کو قربان کر کے بستی ہردلعزیزی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ اقوام غیر جن سے مسلمانوں کو سابقہ پڑا قوت اور دولت کی پرستار تھیں۔ ان کے یہاں قیادت اور قانون سازی کا

حق بادشاہ کو تھا ؛ اور بادشاہ اس کو کہتے تھے جو زمینوں پر قابض اور لشکروں اور خزانوں کا مالک ہو۔ مسلمان بھی یہی سمجھنے لگے کہ ہمارا قائد ، امیر اور سردار وہی ہے جو زمینوں کو فتح کر کے لشکروں کی مدد سے اس پر اپنی حکومت قائم کر سکے ، اور وہاں کا دھن دولت سمیٹ کر ہمارے کام و دھن کی تواضع کے سامان مہیا کر دے۔ آل محمد نے اس سے اختلاف کیا اور بتایا کہ قیادت :: ”بسطة فی العلم والجسم“ سے حاصل ہوتی ہے۔ مال و دولت کی کثرت ، یا کسی تنخواہ دار لشکر کی مدد سے ممالك عالم پر قبضہ کسی کو مامور من اللہ نہیں بنا سکتا۔

:: : تمدن زدہ اور تہذیب آلودہ اقوام کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی بادشاہی کا شوق چرایا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح کیا گیا ہے۔ الم تر الى الملا من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ م اذ قالوا لنبی لهم ابعت لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ ط قال هل عسیت ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا قالوا وما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ط فلما کتب علیهم القتال تولوا الا قلیلا منهم ط واللہ علیہم بالظالمین ۝ وقال لهم نبیہم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا ط قالوا انی یکون له الملك علینا ونحن احق بالملك منه ولم یؤت سعة من المال ط قال ان اللہ اصطفیٰ علیکم وزاده بسطة

ہمارا بادشاہ اللہ ہے۔ یہ ساری زمین اسی کی ملکیت ہے۔
قانون سازی کا حق بھی اسی کو ہے۔ وہ اپنی طرف سے اس
سرزمین پر ایک نائب مقرر کرتا ہے۔ اس نائب کا کام قانون

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

فی العلم والجسم ط واللہ یوتی ملکہ من یشاء ط واللہ واسع علیم (بقرہ: ۲۴۷)

اے پیغمبر کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے
سرداروں کو پیش آیا تھا؟ انہوں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی تھی کہ ہم اللہ کی
راہ میں جہاد کریں گے ہمارے لئے ایک ”ملک“ مقرر کر دیجئے۔ نبی نے کہا (مجھے امید
نہیں کہ تم ایسا کر سکو) اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بعید نہیں ہے کہ تم لڑنے سے
انکار کردو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ
لڑیں، حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں، اور اپنی اولاد سے علیحدہ ہو چکے
ہیں۔ مگر جب انہیں جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک تھوڑی سی تعداد کے سوا سب نے منہ
موڑ لیا۔ اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تمہارے
لئے طالوت کو ”ملک“ مقرر کر دیا ہے۔ (یہ سن کر) وہ کہنے لگے کہ یہ کیوں کر
ہو سکتا ہے کہ اس کو ہم پر حکمرانی (کا حق حاصل ہو) اس سے زیادہ تو ہم حکمرانی
کا حق رکھتے ہیں کہ اس کو مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں ہے۔ نبی نے یہ سن کر کہا
(حکمرانی کی اہلیت کا جو معیار تم نے مقرر کر لیا ہے یہ غلط ہے) اللہ نے اس کو تم پر
(حکمرانی کے لئے) منتخب فرمایا ہے اور علم کی فراوانی اور جسمانی طاقت کی وسعت اس
کو عطا کی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے۔ وہ بڑی وسعت رکھنے والا
ہے، اور سب کچھ جانتے والا ہے۔

سازی نہیں ہے۔ وہ کوئی حکم اپنی طرف سے نہیں دے سکتا۔ وہ صرف اس مالک حقیقی کے احکام کو نافذ کرتا ہے۔ اور خالق و مخلوق اور فرد و معاشرے کے باہمی ربط کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہادی اور قائد کے دو منصب ہیں، ایک تبلیغ یعنی خداوند عالم سے احکام حاصل کر کے امت تک پہنچا دینا؛ دوسرے تنظیم یعنی ان احکام کی بنیاد پر سوسائٹی کو منظم کرنا۔ پہلے منصب کا حامل نبی کہلاتا ہے، اور دوسرے پر فائز ہونے والا امام۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ دونوں منصب ایک ہی ذات میں جمع ہو گئے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وغیرہ، کہ یہ حضرات یک وقت نبی بھی تھے اور امام بھی۔ منصب نبوت رسول عربی کی ذات پر ختم ہوا یعنی بنی آدم کی فلاح و بہبود کے جتنے احکام خدا کی طرف سے نازل ہونے والے تھے نازل ہو چکے اور ان سب کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا، مگر تنظیم ملت اور تحفظ امت کا منصب بدستور باقی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے لیکر امام حسن عسکری علیہ السلام تک

گیارہ آئمہ یہی فریضہ انجام دیتے رہے۔ از بس کہ دنیا نام نہاد تہذیب و تمدن کے مسموم اثرات سے بری طرح مجروح و مشلول ہو چکی ہے اور فطری زندگی سے اسکا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اس لئے قانون فطرت کے مطابق بارہویں امام پردہ غیبت میں ہیں۔ جب نظامِ معاشرت کو تباہی سے بچانے کے لئے بنی آدم کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہو چکیں گی۔ چاروں طرف ٹھوکریں کھا کر جب وہ فطری زندگی کی طرف لوٹیں گے، تو قائم آلِ محمد کا ظہور ہوگا (اللہم عجل فرجہ و سہل مخرجہ)۔ ان بزرگوار کا نشو و نما بالکل فطری ماحول میں ہوا ہے۔ اور قدرت آنے والے زمانہ کے لئے ان کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔



قیامت

:- ۵ :-

اس کارخانہ قدرت پر نگاہ ڈالتے۔ یہاں ہر شے کی ایک تاثیر ہے، اور ہر عمل کا ایک نتیجہ۔ قانون مکافات کائنات

کے گوشے گوشے میں جاری و ساری ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے۔ آپ اس میں ہاتھ ڈالینگے تو ضرور ہے کہ وہ جل جائے۔ برف کی طبعی خاصیت برودت ہے۔ آپ اس کا ایک ٹکڑا زبان پر رکھینگے تو لازمی طور پر وہ سرد ہو جائے گی۔

قیامت، روز جزا، یوم الدین اس دن کا نام ہے جب افراد و اقوام کو اپنے اعمال کے طبعی نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اليوم تجزون بما كنتم تعملون ۝ (جاثیہ: ۲۸) جو تم کیا کرتے تھے۔

لتجزى كل نفس بما تسعى ۝ (طہ: ۱۵) بدلہ دیا جائے جو وہ کرتا تھا۔

و ذوقوا عذاب الحريق ۝ ذالك جلنے کے عذاب کا مزا چکھو،

بما قدمت ايديكم وان الله ليس

بظلام للعبيد ۝ (انفال: ۵۰-۵۱) کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے،

اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

یہ عالم کون و فساد ہے۔ یہاں ایک چیز پیدا ہوتی ہے۔

آہستہ آہستہ نشو و نما پاتی ہے اور شباب کی رغنائیوں سے

برہ اندوز ہوتی ہے ، پھر ایک وقت آتا ہے کہ گھٹنے لگتی ہے اور انحطاط کے آخری نقطہ تک پہنچ کر فنا ہو جاتی ہے ۔ جب اجزا کا یہ حال ہے تو یہ کل عالم بھی قانون فنا سے بچ نہیں سکتا ۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ اس نظام عالم کی تعمیر میں تخریب کے جرائم پوشیدہ ہیں اور قرآن اپنے واضح اور دلکش انداز میں اس حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے ۔

اذا زلزلت الارض زلزالها ۰ جب زمین خوب ہلائی جائے
واخرجت الارض اثقالها ۰ گی اور وہ اپنا بوجھ نکال کر
وقال الانسان مالها (زلزال: ۱-۳) پھینک دے گی اور انسان
کہے گا کہ زمین کو ہو کیا گیا ۔

اذا السماء انفطرت ۰ واذا الكواكب
انثرت ۰ واذا البحار فجرت ۰ اور ستارے بکھر جائیں گے
(انفطار: ۱-۳) اور سمندر چلائے جائیں گے؟

اذا الشمس كورت ۰ واذا النجوم
انكدت ۰ واذا الجبال سيرت ۰ گا، جب ستارے سیاہ ہو جائیں
(تکویر: ۱-۳) گے ، جب پہاڑ چلائے جائیں

يوم تكون السماء كالمهل ۰ وتكون
جب آسمان پگھلے ہوئے

الجبّال کالعهن^۵ (معارج: ۸-۹) تانبے اور پہاڑ دھکے ہوئے
اون کی مانند ہو جائیں گے۔

کیا مردے زندہ ہو سکتے ہیں؟

اس مسئلہ پر ہمیشہ بحث و مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ موافقین
بڑے بڑے فلسفیانہ دلائل سے حیات بعد موت پر استدلال
کرتے ہیں اور مخالفین اس کی تردید میں اتنی ہی بڑی دلیلیں
پیش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ بالکل الجھ کر رہ جاتا ہے۔
قرآن شریف نے اس مسئلہ پر آئینِ فطرت کی روشنی میں
بحث کی ہے۔ اور مشاہداتی دلائل سے مخالفین کو مطمئن کرنے
کے سامان بہم پہنچائے ہیں۔

قال من یحی العظام وہی رمیم^۵ اس نے کہا کہ ان سڑی گلی
قل یحییہا الذی انشاہا اول ہڈیوں کو جلانے کا کون؟
مرۃ ط (یسین: ۷۸) کہدے وہی جس نے ان کو
پہلی دفعہ (نیست سے) ہست کر دکھایا۔

یحسب الانسان ان یتروک کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ
سدى^۵ الم ینظفہ من منی وہ یوں ہی بیکار چھوڑ دیا
یمنی^۵ ثم کان علقۃ فخلق فسوی^۵ جائے گا؟ کیا وہ پانی کی ایک

فجعل منه الزوجين الذكر ٹپکی ہوئی بوند نہ تھا؟ پھر وہ
 والاتی ۵ ایس ذالک بقدر علی بندھا ہوا خون ہوا، پھر خدا
 ان یحیی الموتی ۵ (قیامہ: ۳۶-۴۰) نے اس کو بنایا اور خوب
 اچھی طرح بنایا۔ پھر اس کو جوڑا یعنی نرومادہ کیا (اب بتاؤ
 تو سہی کہ) کیا وہ خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلادے؟
 فقال الکفرون هذا شیء عجیب ۵ کافروں نے کہا کہ کیسی عجیب
 ءاذا متنا وکنا تراباً ذالک بات ہے کہ جب ہم مر کھپ
 رجع بعید ۵ قد علمنا ما تنقص کر مٹی ہو جائیں گے (تو پھر
 الارض منهم ج و عندنا کتاب زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ لوٹنا
 حیظ ۵ بل کذبوا بالحق لما تو بعید از عقل ہے۔ (خدا
 جاءهم فہم فی امر مریخ ۵ افلم یظنوا الی السماء فوکہم کیف
 بنینہا وزینہا وما لہا من فروج ۵ جو کچھ زمین کم کرتی ہے اس کا
 والارض مدد نہا والقیٰنہا فیہا ہم کو علم ہے اور ہمارے پاس اس
 رواسی وابتنا فیہا من کل کا اپک محفوظ رکارڈ رہتا ہے۔
 زوج بھیج ۵ تبصرۃ و ذکر لکل بات یہ ہے کہ ان کافروں نے
 عبد منیب ۵ ونزلنا من السماء ماء اپنے پاس آئی ہوئی سچائی

مبرکا فانبتنا به جنت وحب کا انکار کر دیا۔ بس وہ الجہن
 الحصيدہ والنخل بسقت لها مین پڑ گئے۔ کیا انہوں نے
 طلع نضیدہ رزقا للعباد و احینا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا
 به بلدة ميتاً كذلك الخروج کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا
 کذبت قبلہم قوم نوح و اور کس طرح بچایا کہ اس
 اصحاب الرس و ثمود و عاد و میں کہیں سوراخ نہیں؛ اور
 فرعون و اخوان لوط و واصحاب زمین کو پھیلایا اور اس میں
 الايكة و قوم تبع ط کل سذب پہاڑوں کے لنگر ڈالے اور اس
 الرسل فحق وعيدہ افعینا میں قسم قسم کی رونق دار
 بالخلق الاول بل ہم فی لبس چیزیں اگائیں کہ ہر رجوع
 من خلق جدیدہ (ق: ۲-۱۵) ہونے والے بندے کے لئے
 باعث بصیرت و یادگار ہو۔ آسمان سے برکت والا پانی
 برسایا۔ پھر اس سے باغ اور کھیتی (فصل) کے اناج اگائے اور
 کھجوروں کے لانبے درخت جن کے خوشے اوپر تلے ہیں،
 یہ بندوں کو روزی پہنچانے کے لئے ہے اور اس پانی سے ہم
 مردہ قطعہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ بس اسی طرح (قبروں)
 سے نکلتا ہوگا۔ ان کافروں سے پہلے نوح کی قوم، رس والوں،

اور ثمود؛ عاد، فرعون اور لوط کے بھائی بندوں؛ اور جنگل والوں نے اور تبع کی قوم نے اس کو جھٹلایا۔ (ان میں سے ہر ایک) نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ تو ہماری دھمکی پوری ہو کر رہی، کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے (جو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے) بات یہ ہے کہ ان کافروں کو از سرنو پیدائش میں شک ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں خدا نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ کائنات میں ہر چیز فنا ہو کر پھر مبعوث ہوتی ہے۔ بادِ سموم کے تیز و تند جھونکے سبزہ زاروں، گل پوش پودوں اور شمر دار درختوں کو جھلس دیتے ہیں۔ ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ یہ ویران کھیتی اب کبھی سرسبز و شاداب نہ ہوگی۔ لیکن پھر بارانِ رحمت کے دو چار چھینٹے مردہ زمین میں جانِ ڈال دیتے ہیں اور خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آنے لگتی ہے، زمین پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے، ندی نالے پانی سے بھر جاتے ہیں۔ سارا جنگل جل تھل ہو جاتا ہے اور جہاں کوسوں زندگی کا نام و نشان نہ تھا وہاں قدم قدم پر جاندار ہی جاندار نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر جب کرۂ ارض پر موت و حیات کا یہ تماشا آئے دن نظر آتا ہے تو انسان اپنے مر کر زندہ ہونے کو کیوں محال سمجھتا ہے؟

فروعِ دین



نماز

اگر ہم اسلامی عبادات کا غور سے مطالعہ کریں تو یہ حقیقت صاف طور پر نمایاں ہو جاتی ہے کہ ان کے اندر روحانی منافع کے علاوہ سیاسی، معاشی، اور تمدنی فوائد بھی مضمحل ہیں۔ خدا کی بندگی اور نماز کے طریقے دنیا کے سارے مذہبوں میں موجود ہیں، مگر اسلامی نماز سب سے نرالی شان رکھتی ہے۔ یہاں یہودی ریبوں اور عیسائی راہبوں کا وہ مراقبہ نظر نہیں آتا جو خاتقاہوں کے کونوں میں بیٹھ کر سر انجام پاتا تھا؛ نہ بدھ مت کے بھکشوؤں اور ہندو دھرم کے سادھوؤں کی طرح یہ طریق عبادت وہاروں یا ایکانت کشیوں کا محتاج ہے؛ نہ یہاں مختلف مندر اور معبد ہیں جو جدا جدا خداؤں اور دیوتاؤں کی پوجا کے لئے مخصوص ہوں؛ نہ مدارج اور طبقات کا امتیاز ہے کہ جس کا مظاہرہ روح مساوات کو گھلا دے۔

آئیے مسجد کے اندر آ کر دیکھیے۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب، کالے گورے، عرب اور غیر عرب سب ایک صف میں کھڑے ہیں۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی کھڑا ہو گیا۔ سجدے کے وقت کہیں گدا کے پاؤں بادشاہ کے سر کے آگے ہیں : اور قیام کے وقت کہیں موٹے موٹے ہونٹ والا سیاہ فام حبشی غلام سفید فام آقا کے ساتھ شانے سے شانا ملائے ہوئے کھڑا ہے۔ سب ایک ہی مرکز کی طرف جھک رہے ہیں۔ ایک ہی زبان میں اپنے خالق سے عرض و معروض کر رہے ہیں۔ مکان و لسان کے سب فرق اور طبقات و مدارج کے سارے امتیازات یہاں غائب ہیں۔ جوزف ہیل (Joseph Hell) نے اپنی کتاب تمدنِ عرب (The Arab Civilisation) میں کیا خوب فرمایا ہے :-

”جس کسی نے مسلمانوں کو نماز کے وقت صفوں میں کھڑا ہوا اور حیرت انگیز یکسانیت، ضبط اور وقار کے ساتھ قیام و قعود بجا لاتے دیکھا ہے، وہ اس منظم طریق عبادت کی تعلیمی قدر و قیمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہے گا۔ اگر ہم (اس وقت) صرف یہ یاد رکھیں کہ (عرب) ایک ایسی مغرور

قوم تھے جو غیر کی مرضی کے سامنے جھکنا پسند نہ کرتی تھی، یہ وہ لوگ تھے جو جذبہ اطاعت سے قطعی بے بہرہ تھے، تو فوراً ہم کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ضبط و نظم کی روح کو بیدار کرنے کے لئے یہ طریق عبادت کس قدر اہم ہے۔ یقین مائے کہ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ مسجد ہی اسلام کی سب سے پہلی فوجی تربیت گاہ ہے۔ جماعت کی نمازوں کے وقت مومنوں کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا یکجہتی اور اتحاد کی روح کو نشوونما دیتا اور مساوات انسانی کے جذبات کا نقش جماتا تھا، ملک عرب میں یہ خیالات بالکل نئے تھے۔“

اس کتاب میں جا بجا یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کی یہ خصوصیت عبادت میں بھی نمایاں ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کی طرح انسان کے فطری رجحانات کو نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں، سمندروں اور دریاؤں کے پانی میں جا کر عبادت کرو۔ یا ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر رات رات بھر مترجیتے رہو۔ وہ اس کی جبلتِ اجتماعی (Gregarious Instinct) کی رعایت کرتا ہے۔ اس کے مدنی بالطبع ہونے کو نظر انداز نہیں کرتا۔

زندگی کی دوڑ میں جو مشکلات اس کو پیش آتی ہیں ان کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اور نماز کا وہ طریقہ بتاتا ہے جو ایک طرف بہت سہل ہے اور دوسری طرف ہر حیثیت سے مفید ہے۔ ذرا اوقاتِ نماز پر نظر ڈالئے۔ جب آپ رات بھر کے آرام سے بیدار ہوتے ہیں تو اس خدا کے شکرانے کا دوگانہ بجالاتے ہیں جس نے آپ کو نیند کی نعمت سے بہرہ اندوز کیا اور اس کے سکون بخش اثرات سے آپ کی روح و جسم کو بالیدگی عطا فرمائی۔ خدا کا نام لیکر آپ اپنا کاروبار شروع کرتے ہیں۔ زوال کا وقت آنے آنے آپ کا جسم آرام کا طالب اور وقفہ کا متمنی نظر آنے لگتا ہے۔ اب آپ تھوڑی دیر کے لئے کاروبار بند کر دیتے ہیں اور اس خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں جس کی دی ہوئی طاقتوں کے بل بوتے پر آپ اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔

اس وقفہ کے بعد پھر آپ کام میں مشغول ہو جاتے ہیں اور شام کو جب آپ اپنی دن بھر کی محنت سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر اللہ کے حضور میں سر جھکاتے ہیں کہ اس نے یہ دن خیر و خوبی سے گزار دیا۔ پھر جب آپ سونے کے لئے بجائے

لگتے ہیں تو آخری مرتبہ پھر اللہ کے حضور میں سر بسجود ہوتے ہیں اور رات کے خیر و عافیت سے گذرنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے والوں کو ان روحانی وقفوں کے مادی فوائد کا احساس ہو یا نہ ہو مگر مزدور پیشہ لوگ جانتے ہیں کہ محنت و مشقت کے دوران میں یہ وقفے کس قدر سکون بخش اور آرام رساں ثابت ہوتے ہیں؛ اور ان وقفوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد تھکے ماندے اعضا میں کس طرح از سر نو کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔



روزہ

پارسیوں کو چھوڑ کر دنیا میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جو ”روزے“ کی افادیت سے انکار کر سکے؛ یا جس کے دین و مذہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں موجود نہ ہو۔ مگر اسلامی روزے کی شان سب سے نرالی ہے۔ یہاں

روزہ بھی ایک اجتماعی عمل اور قومی و ملی شغل کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ آج جب یورپ میں جنگ کا بازار گرم ہے اور متحارب فریق ایک دوسرے کی ناکہ بندی کر رہے ہیں، تو ہم بار بار (Rationing) کا نام سنتے ہیں۔ یعنی ضروریات زندگی اور خصوصیت کے ساتھ کھانے پینے کی چیزوں پر حکومت کی نگرانی ہے، اور ہر شخص کو ”پا شور با اور گنی بوٹی“ دی جاتی ہے۔ اسلام اپنے پیروں کو ہر سال مہینہ بھر تک نصف غذا (Half Ration) پر رکھ کر ایک طرف تو ان کے اندر فوجی زندگی کو برقرار رکھتا ہے اور دوسری طرف کفایت شعاری، نفس کشی اور دوسروں کے دکھ درد کے احساس کی عادت ڈالتا ہے۔ فرض کیجئے کہ دنیا میں ساٹھ کڑوڑ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان اپنی غذا پر اوسطاً چار آنہ فی وقت خرچ کرتا ہے، تو ایک مہینے میں وہ سات روپیہ آٹھ آنے بچا سکتا ہے۔ اب ان سات روپیہ آٹھ آنے کو ساٹھ کڑوڑ سے ضرب دیجئے اور دیکھئے کہ مسلمان اگر چاہیں تو رمضان میں کتنی بڑی دولت بچا کر دین و ملت کے مفید کاموں میں صرف کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے رمضان کے مہینے میں

افطار کے وقت مسلمانوں کے اجتماعات ، ان کی مساجد کی چہل پہل اور پھر عید کے اتحاد پرور نظارے دیکھے ہیں ؛ وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ روزوں کے اس اجتماعی مظاہرے سے تمدن اور سیاست کے کیسے کیسے نکتے حل ہوتے ہیں ؛ اور یکجہتی اور مواسات کو اس سے کتنی تقویت پہنچتی ہے ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان کی ساری تباہ کاریاں دو جہلی خواہشوں کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں (۱) خورد و نوش (۲) جنسی میلان ؛ روزہ انہی دو جبلتوں کو قابو میں لانے کی مشق ہے ۔ گویا ماہ رمضان مسلمانوں کے لئے ایک سالانہ ٹریننگ کیمپ (تربیت گاہ) ہے جہاں ضبط نفس کی تعلیم و تربیت کا سامان مہیا کیا جاتا ہے ۔ مندرجہ ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے :-

یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم اے ایمان والو! تم پر بھی الصیام کا کتب علی الذین روزے اسی طرح فرض کئے من قبلکم لعالم تقون^۵ گئے جس طرح تم سے پہلے (بقرہ: ۱۸۳)

تا کہ تم پرہیزگاری حاصل کرو ۔

اگر نماز ظاہری مساوات پیدا کرتی ہے ، تو روزہ باطنی مساوات کی داغ بیل ڈالتا ہے ۔ اس کی بدولت امیر اور خوش حال لوگوں کو اپنے غریب اور فاقہ مست بھائیوں کی تکلیف میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے ۔ وہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہ کر اس اذیت کا احساس کر لیتے ہیں جو فاقہ کی وجہ سے ان کے غریب بھائیوں کو آئے دن ستاتی رہتی ہے ۔ اور اس طرح ہمدردی کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوتا ہے ۔ اور وہ حقارت جو فاقہ مست لوگوں کی طرف سے ان کے قلب میں مسکن گزین تھی دور ہو جاتی ہے ۔



زکواة

دولت کی صحیح اور مناسب تقسیم کا مسئلہ ہر ملک اور ہر عہد میں پریشان کن رہا ہے ۔ بعض مذاہب تو ایسے ہیں کہ انہوں نے اس کے حل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں کی ۔ بعض نے سرے سے ملکیت کو گناہ قرار دیدیا ۔ اور اس طرح بیکاری ، مفت خوری اور رہبانیت کی حوصلہ افزائی کی ۔

دوسرے معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی اسلام نے
جاءۃ اعتدال اختیار کیا ہے۔ اس نے محنت و مشقت کر کے
جائز طریق پر دولت کمانے کو گناہ نہیں بتایا، ہاں اس کو
روک رکھنے اور راہ خدا میں صرف نہ کرنے کو ممنوع قرار دیا۔
والذین یکنزون الذہب وہ لوگ جو سونے چاندی کو
والفضۃ ولا ینفقونها فی سبیل اللہ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور
فشرہم بعذاب الیم ۵ راہ خدا میں صرف نہیں
کرتے ان کو درد ناک عذاب (توبہ: ۳۴)

کی بشارت دیدو۔

ویل لکل ہمزۃ لمزۃ ۵ الذی جمع طعنه زن اور عیب جو
مالا وعدده ۵ یحسب ان مالہ پر واٹے ہو، جو مال کو جمع
اخلده ۵ کلا (ہمزہ: ۱-۳) کرتا ہے اور اس کو گن گن
کریہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو سدا زندہ رکھے
گا۔ ہرگز نہیں۔

پھر زکوٰۃ کا ٹیکس عائد کر کے دولت کو بیکار پڑے رہنے اور
ملت اسلامیہ کے کام نہ آنے سے روک دیا۔ کیوں کہ جب
ہر شخص کو لازمی طور پر سال میں ایک خاص رقم ادا کرنی

پڑے گی تو وہ کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو یہ رقم
منافع سے ادا کرے اور اصل سرمایہ کو محفوظ رکھے۔ واضح
ہو کہ زکوٰۃ انہی چیزوں پر واجب ہوتی ہے جن میں بقا اور نمو
ہو یعنی وہ ایک مدت تک اپنی حالت پر باقی رہیں اور ان
میں پیداوار، تناسل یا مبادلہ کی بنا پر بڑھنے کی صلاحیت
موجود ہو۔

زکوٰۃ کے مصارف قرآن شریف نے یہ مقرر کئے ہیں:۔

انما الصدقات للفقراء والمساكين صدقات (زکوٰۃ) فقیروں،
والعالمین علیہا والمولفۃ قلوبہم مسکینوں اور زکوٰۃ کے صیغہ
وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ میں کام کرنے والوں (کا حق
وابن السبیل ۱۰ فریضۃ من اللہ ۱۰)، ان لوگوں کے لئے ہے
(توبہ: ۶۰) جن کی (اسلام کی طرف)

تالیف قلوب کرنا ہے، اور (ان لوگوں کی گلوخلاصی کرانے کے
لئے ہے) جو غلامی میں ہیں یا مقروض ہیں یا جن کو تاوان
دینا ہے۔ (اس کے علاوہ اس کو) راہِ خدا میں (صرف کیا
جاسکتا ہے) اور مسافروں کی (امداد کے کام میں لایا
جاسکتا ہے)۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔

غور سے دیکھئے تو ان آٹھوں مصارف میں نیکی اور خیرات کے تمام شعبے آجاتے ہیں ۔

(۱) فقراء اور

(۲) مساکین میں وہ سب محتاج اور مجبور لوگ شامل

ہو جاتے ہیں جو کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے اپنی روزی نہیں کما سکتے ۔

(۳) عاملین میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جو محکمہ

زکوٰۃ میں کام کرتے ہیں ۔

(۴) مولفۃ القلوب کے ماتحت وہ سب امدادیں آجاتی

ہیں جو لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے دی جائیں ۔

(۵) ”فی الرقاب“ سے یہ مراد ہے کہ غلاموں اور

قرضداروں کی گلو خلاصی کرانے کے لئے زکوٰۃ سے روپیہ صرف کیا جائے ۔

(۶) ”غارمین“ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے لڑنے

والے افراد یا قبائل میں مصالحت کرانے کے لئے مالی ضمانت

کر لی تھی ان کی یہ ضمانت زکوٰۃ سے ادا کی جاسکتی ہے ۔

(۷) فی سبیل اللہ یعنی نیکی کے جتنے کام ہیں سب زکوٰۃ کے روپیہ سے سرانجام دئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً جہاد وغیرہ۔

(۸) وابن السبیل۔ مسافروں کی امداد، اور ان کی راحت رسانی کے سامان بہم پہنچانا، راستوں کی درستی، پلوں اور مسافر خانوں کی تعمیر۔

اسلام زکوٰۃ کے ذریعہ سے مفت خوروں اور کاهلوں کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں چاہتا اس لئے اس نے فقراء اور مساکین کی تعریف بھی بتادی ہے۔

للفقراء الذين احصروا في ان مفلسوں کے لئے ہے جو سبیل اللہ لا يستطيعون ضربا اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں اور فی الارض يحسبهم الجاهل (طلب معاش کے لئے) زمین اغنياء من التعفف تعرفهم پر سفر نہیں کر سکتے، ناواقف بسياهم لا يسئلون الناس الحافا ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے (بقرہ: ۲۷۳) ان کو بے احتیاج سمجھتے

ہیں۔ تم ان کے چہرہ سے پہچانتے ہو کہ وہ حاجتمند ہیں (اگرچہ) لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔

صدقات جمع کرنے کا طریقہ

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک گشتی حکم میں صدقات جمع کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

انطلق علی تقوی اللہ وحدہ جاؤ اس خدائے واحد کا
لا شریک لہ ولا ترعن مسلماً خوف دل میں لٹے ہوئے جاؤ
ولا تجتازن علیہ کارہاً ولا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔
تاخذن منہ اکثر من حق اللہ (دیکھنا) کسی مسلمان کو ہرگز
فی مالہ فاذا قدمت علی الحی نہ ڈرانا اور ایسے وقت اس
فانزل بلاءہم من غیر ان تخالط کے پاس سے نہ گزرنا جب
ایاتہم ثم امض علیہم بالسکینۃ وہ پسند نہ کرتا ہو۔ اور اللہ
والوقار حتی تقوم بینہم فتسلم کا جو حق اس کے مال میں
علیہم ولا تخرج بالتحیۃ لہم ہو اس سے زیادہ نہ لینا۔
ثم تقول عباد اللہ ارسلنی الیکم جب تم کسی قبیلہ کے پاس
ولی اللہ و خلیفۃ لاخذ منکم جاؤ تو ان کے گھروں سے
حق اللہ فی اموالکم فہل اللہ فی دور تالاب کے پاس اترو، پھر
اموالکم حق فتؤدوہ الی ولیہ سکون و وقار کے ساتھ ان کے
فان قال قائل لا فلا تراجعہ پاس جاؤ اور سامنے کھڑے

وان انعم لك منعّم فانطلق معہ ہو کر پہلے سلام کرو اور
من غیر ان تخیفہ و توعده پورے ادبِ تحیہ بجالاؤ۔
او تعسفہ و ترہقہ فخذما اعطاك پھر یہ کہو کہ اے بندگانِ
من ذهب اوفضة فان كان له خدا! مجھے خدا کے ولی اور
ماشية او ابل فلا تدخلها الا اس کے خلیفہ نے تمہارے
بازنہ فان اكثرها له فاذا پاس اس لئے بھیجا ہے کہ
اتيتها فلا تدخل عليها دخول تمہارے اموال میں جو کچھ
متسلط عليه ولا عنيف به ولا حق خدا کا ہے وہ تم سے
تتفرن بهيمة ولا تفرعنہا ولا وصول کرلوں۔ پس اگر واقعی
تسوءن صاحبها فيها واصدع المال تمہارے پاس اللہ کا کوئی حق
صدعين ثم خيره فاذا اختار ہے تو اس کو ولی اللہ کے
فلا تعرضن لما اختاره ثم اصدع پاس پہنچادو۔ اس پر اگر
الباقى صدعين ثم خيره فاذا کوئی یہ کہے کہ ”نہیں“ تو
اختار فلا تعرضن لما اختاره فلا پھر اس سے تعرض نہ کرو
تزال كذلك حتى يبقی مافیہ اور اگر کہے کہ ”ہاں ہے“
وفاء لحق الله في ماله فاقبض تو اس کے ساتھ جاؤ اور
حق الله منه فان استقالك فاقله بغیر ڈرائے، دھمکائے، زبردستی

ثم اخلطهما ثم اضع مثل الذی اور سختی کے جو کچھ وہ صنعت اولاً حتی تاخذ سونے اور چاندی میں سے حق الله فی مالہ (نہج البلاغہ) دے لے لو۔ اگر اس کے پاس مویشی ہوں اور اونٹنیاں ہوں تو ان کے گلے میں بغیر اس کی اجازت کے داخل نہ ہو کیونکہ زیادہ حصے کا مالک تو آخروہی ہے؛ اور جب (مالک کی اجازت سے) اس میں داخل بھی ہو تو اس طرح نہیں جیسے تسلط جمانے والے اور ظالم شخص داخل ہوتے ہیں، نہ کسی جانور کو بھڑکاؤ، نہ ڈراؤ، غرض ان کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کرو جو مالک کو بری معلوم ہو؛ اور مال کو دو حصوں میں تقسیم کردو پھر اس کو اختیار دیدو کہ (وہ جو حصہ چاہے لے لے) اسی طرح باقی نصف کو بھی دو حصوں میں تقسیم کردو اور اس کو اختیار دیدو (کہ جو حصہ چاہے لے لے) اور جب وہ کوئی حصہ پسند کر لے، تو اس سے اس حصہ کی بابت کچھ تعرض نہ کرو۔ پس برابر ایسا ہی کرتے رہو یہاں تک کہ فقط اس قدر مال باقی رہ جائے جس سے خدا کا حق پورا ہوتا ہو۔ بس اس کو لے لو۔ (پس اگر اس میں کوئی ایسا جانور آجائے جس کے

دینے سے) مالک معافی مانگے تو معاف کردو اور تمام اموال کو باہم ملا کر اسی طرح از سر نو تقسیم کرو، یہاں تک کہ تم اس کے مال میں سے حق اللہ بھی لے لو (اور اسے شکایت کا موقع بھی نہ رہے)۔



خمس

—:O:—

اسلامی بیت المال کی آمدنی کے ذرائع زکوٰۃ و صدقات تھے۔ تاریخ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ شاہانِ وقت اور امراءِ زمانہ جن کا تسلط خزانوں پر ہوتا ہے آہستہ آہستہ ان خزانوں سے خود ہی بہرہ اندوز ہونے لگتے ہیں اور اس کو عامۃ الناس کی فلاح اور بہبود پر صرف نہیں کرتے۔ اسلام نے اس خرابی کا کلیۃً انسداد کرنا چاہا۔ اور زکوٰۃ و صدقات کی آمدنی رسول پر جو اس وقت امیرِ اسلام تھے اور آلِ محمد پر جنکو آئندہ چل کر امیرِ اسلام ہونا تھا بالکل حرام کر دی۔ لیکن رسولِ اسلام بھی انسان تھے، فرشتے نہ تھے۔ گھر بار

رکھتے تھے، بیویاں تھیں، بچے تھے۔ اور آئندہ بھی جن کو امراءِ اسلام ہونا تھا ان کا بھی ضروریاتِ زندگی سے فارغ البال ہونا ضروری نہ تھا۔ اس لئے زکوٰۃ کے بجائے ان کے لئے خمس کی آمدنی تجویز کی گئی۔ مال غنیمت یا دینیوں یا کانوں اور دریاؤں سے نکلی ہوئی دولت یا سال بھر کے خرچ کے بعد بچے ہوئے سرمایہ کے پانچویں حصہ کو خمس کہتے ہیں اور یہ محمد و آلِ محمد کا حق ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیء۔ جان لو کہ جو کچھ تم کو فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتامی والمساکین حصہ خدا کے لئے، اور رسول و ابن السبیل (انفال : ۴۱) کے لئے، اور اس کے رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لئے ہے۔ مسئلہ خمس ان مسائل میں سے ہے جن پر مسلمانوں نے بہت بحث و مباحثہ کیا ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ زکوٰۃ اور دوسرے صدقات کی آمدنی اس لئے تھی کہ اس سے مسلمانوں کا جماعتی نظام قائم کیا جائے، رفاہ عام کے کام سرانجام پائیں اور صاحبِ احتیاج لوگوں کی امداد ہوسکے۔ تو کیا

آلِ محمد محض اس جرم میں کہ وہ رسول مقبول کے اقرباء تھے اس مصرفِ خیر سے محروم کر دئے گئے جس سے سب مسلمانوں کو بہرہ اندوز ہونے کا حق حاصل تھا؟ کیا آلِ محمد کو زندگی کی جدوجہد میں کبھی امداد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، کیا ان میں فقیر و مسکین اور مسافر پیدا ہونے کا امکان کلیۃً مفقود ہو گیا تھا؟

یشک ان پر زکوٰۃ حرام تھی لیکن ان کے فقراء و مساکین یعنی محتاج، مجبور اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے طلب معاش پر قادر نہ تھے (احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الارض) کسی اور بابِ آمدنی کی ضرورت تھی۔ یہ باب خمس تھا۔

زکوٰۃ آلِ محمد پر کیوں حرام تھی؟ کیا اس لئے کہ وہ نجاست ہے، گندگی ہے؟ تو پھر دوسرے مسلمانوں کو اس گندگی کے کھانے کی کیوں اجازت تھی؟ کیا آلِ محمد دوسرے مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ تھے؟

ہاں ہاں وہ گندگی تھی اور صرف آلِ محمد ہی کے لئے گندگی تھی۔ اس لئے کہ ان کو بیت المال کا منصرم ہونا تھا۔

ان پر اس آمدنی کو حرام کر کے خدا نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیت المال کے رویہ کے محفوظ رہنے کی ضمانت کردی۔
 اب چونکہ ان کے خاندان میں بھی ضرورت مند انسان ہوسکتے تھے اس لئے خمس سے ان کی امداد کا سامان کیا۔
 خمس ایک قسم کی اتفاقی آمدنی ہے جو کھلے بندوں میدانِ جنگ میں یا کانوں اور دریاؤں سے نکلی ہوئی دولت سے ہوتی ہے اور یہ قلیل اور اتفاقی آمدنی آلِ محمد کی احتیاج کے لئے کافی سمجھی گئی۔

خمس کے متعلق مسلمانوں کے دو فرقوں میں جو بحث عرصے سے چلی آرہی ہے وہ دراصل امارت و خلافت کی بحث ہے۔
 جب تک اس بنیادی چیز (یعنی امارت) کا فیصلہ نہ ہو خمس پر بحث ہی نہیں ہوسکتی۔ بیشک خمس رسول اللہ کا حق منصب امامت کی حیثیت سے تھا اور اسی منصب کی حیثیت سے زکوٰۃ ان پر حرام تھی۔ آپ آلِ محمد پر زکوٰۃ تو حرام کئے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اسی حرمت سے ان کے امام اور منصرم بیت المال ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

جب اسلام محمد و آلِ محمد پر زکوٰۃ حرام اور خمس

جائز کر رہا تھا اس وقت اس کے سامنے یہی امر تھا کہ ان کو امام امت ہونا ہے۔ چونکہ زمانہ کے انقلابات نے آل محمد کو منصرم بیت المال نہ ہونے دیا، اس لئے اب صرف ”خمس و زکوٰۃ“ کے زبانی بحث و مباحثے باقی رہ گئے ہیں۔ :-

:- اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت اور ان کے رشتہ داروں پر صدقات اس لئے حرام تھے کہ بیت المال میں تغلب و تصرف کا امکان باقی نہ رہے۔ آل محمد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صدقات کا حرام ہونا یہ بتا تا ہے کہ امارت دین دائمی طور پر ان کے لئے معین ہو چکی تھی۔

کہا جا سکتا ہے کہ بیت المال میں صدقات کے علاوہ جزیہ اور خراج کی آمدنی بھی تو آتی تھی۔ مگر یاد رکھئے کہ یہ آمدنی غیر مسلموں سے وصول ہوتی تھی۔ اسلامی پروگرام میں یہ آمدنی عارضی تھی، دائمی نہ تھی۔ اگر عربی امپیریلزم کے بجائے اسلام پھیلتا تو چند روز میں یہ آمدنی ختم ہو جاتی۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں جزیہ کی آمدنی اس قدر کم ہو گئی تھی کہ حکام چلا اٹھتے تھے۔ اسلامی پروگرام کے مطابق کسی ملک میں پہلے اسلام پھیلتا ہے۔ پھر وہاں اسلامی نظام حکومت قائم ہوتا ہے۔ مگر عربی امپیریلزم نے فتوحات ملکی پر زور دیا، اس لئے یہ آمدنیاں باقی رہیں۔ بلکہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ ان آمدنیوں کی خاطر اشاعت اسلام کو روک دیا گیا۔

محمد و آل محمد کے پروگرام میں یہ آمدنیاں غیر مستقل اور عارضی تھیں۔ ان کے سامنے یہ تصور تھا کہ کسی ملک میں اسلام کی اشاعت سے پہلے وہاں نظام حکومت اسلامی قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ تلوار کے زور سے نہیں بلکہ ترغیب و تحریم کے ذریعہ سے اشاعت دین کرنا چاہتے تھے۔

حج



حج کا نظارہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لا کھوں آدمی ہیں، کوئی کالا، کوئی گورا، کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی یورپ اور ایشیا کے بہترین متمدن شہر سے آیا ہے، کوئی افریقہ کے جنگلوں کا رہنے والا ہے۔ یہ سب ایک ہی قسم کے سادہ لباس میں ہیں اور ایک ہی عالمگیر زبان میں لیک اللہم لیک کہہ رہے ہیں۔ یہاں شاہ و گدا، آقا اور غلام کے امتیازات غائب ہیں اور ملکی، لونی اور لسانی تفرقوں کا پتہ بھی نہیں۔

عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ہر صاحبِ قدرت مسلمان کو اس مساوات پرور اور عدل آفرین اجتماع میں شریک ہونے اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو عملی لباس میں دیکھنے کا موقع ملتا ہے؛ اور یہ خوشگوار منظر غبی سے غبی انسان کو بھی یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ اللہ کی نظر میں سارے بنی آدم یکساں ہیں، اور ملکی و طبقاتی تفریقیں انسان کی خود ساختہ ہیں۔

ہزاروں سال ٹھوکریں کھانے کے بعد اقوامِ عالم قومیت اور وطنیت کے محدود دائروں سے نکلنے کے سامان کر رہی ہیں، وہ ایک مرکز بنانے کے لئے بیچین ہیں، ایک ایسی زبان ایجاد کرنا چاہتی ہیں جو شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن سکے۔ اسلام چودہ سو سال پہلے یہ تجویز دنیا کے سامنے عملاً پیش کر چکا ہے۔

مغرب کے مفکر آج بین الاقوامی اجتماعات (International Conventions) میں دنیا کی نجات دیکھ رہے ہیں، اور یہ حج سینکڑوں سال سے دنیا کو بین الاقوامی اتحاد کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ مسلمانوں میں جب تک روحِ اسلام کارفرما رہی یہ حج کا موسم ان کی سیاسی، تمدنی اور تجارتی ترقی میں بڑا حصہ لیتا رہا۔ ہر سال مکہ کی سرزمین پر اکثافِ عالم کے مدبر، تاجر، عالم اور فاضل لوگ جمع ہوتے تھے اور ایک دوسرے کے حالات و ضروریات سے واقف ہو کر ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے متحدہ کوششیں کرنے کا موقع پاتے تھے۔

Checked
1967

یہ سرزمین تھی جہاں علوم و فنون، اشیاءِ تجارت، اور

اخلاق و عادات کا مبادلہ ہوتا تھا۔ اس زمانے میں جب وسائل سفر محدود تھے اور آمد و رفت اس قدر آسان نہ تھی، احکام اسلام کا دور دراز شہروں بلکہ ملکوں تک پھیل جانا اسی حج کی بدولت تھا۔ اور آج بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہم ”ملت اسلامیہ“ میں روح تازہ پیدا کر سکتے ہیں۔ مکہ معظمہ جہاں یہ بین الاقوامی اجتماع ہوتا ہے صرف ایک شہر ہی نہیں ہے، بلکہ توحید الہی اور حق پرستی کا پرانا مرکز ہے۔ اس کے ذرہ ذرہ پر دین فطرت کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

اس مقدس گھر کی جو آج مسجد عالم بنا ہوا ہے پہلے پہل آدم نے بنیاد ڈالی۔ پھر ابراہیم اور اسماعیل نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔ آخر میں دعوت توحید کے سب سے بڑے داعی محمد رسول اللہ نے اس مقام کو رونق بخشی اور علی جیسے زبردست توحید پرست نے عین خاتہ کعبہ میں ولادت پائی۔

جب کوئی حاجی اس سرزمین پر قدم رکھتا ہے تو اس مقام کی پوری تاریخ اس کی نظر کے سامنے آجاتی ہے؛ اور

وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ میں آج جس مقام پر سعی و طواف میں مشغول ہوں اس پر بڑے بڑے انبیاء، آئمہ اور صلحاء کے قدم پہنچ چکے ہیں؛ اور جس خاک پر میں سجدہ کر رہا ہوں وہ دنیا کے بہت سے الوالعزم انسانوں کی جبینِ نیاز سے مس ہو چکی ہے۔ اس طرح وہ حاجی اپنے آپ کو ایک ایسی عالمگیر برادری کا فرد پاتا ہے جس کا سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے اور کون جانتا ہے کہ کتنے ہزار سال تک جاری رہے گا۔

Lady Evelyn Cobbold نے اپنی کتاب (Pilgrimage to Mecca) میں حج کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے :-

”حج کے اثرات و نتائج میں مبالغہ کی گنجائش نہیں۔ چار دانگ عالم سے آنے والے لوگوں کے اس زبردست اجتماع میں جو اس مبارک موقع اور مقدس مقام پر (جسکو تین مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے جدِ امجد کی یاد نے مقدس بنادیا ہے) منعقد ہوتا ہے شامل ہونے اور سب کی معیت میں خضوع و خشوع کے ساتھ خدا کی تسکیر و تمجید

کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے دل و دماغ پر اسلامی اصول و عزائم کا مفہوم پورے طور پر نقش ہو جائے اور اس کو اس سب سے زیادہ روح پرور عمل میں شامل ہونے کا نفع حاصل ہو جو انسان کو شاذ و نادر ہی نصیب ہوتا ہے۔

مولدِ اسلام کی زیارت، اس زمین پر چلنا جس کو حضرت محمد کے طویل دورِ ابتلا و مصائب کی یاد نے متبرک بنادیا ہے، قربانی، بذلِ نفس اور ایثار کے ان شاندار سالوں میں دوبارہ زندگی بسر کرنا اور اپنی روح کو اس آسمانی نور سے منور کرنا ہے جس نے تمام کرۂ ارض پر اجالا کر دیا تھا۔ لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے۔ اور باتوں کے علاوہ حج ان میں اتحاد و اتفاق بھی پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی چیز مسلمانوں کی منتشر طاقتوں کو متحد اور ان کے اندر ہمدردی پیدا کر سکتی ہے تو وہ حج ہی ہے۔ اس کی بدولت ان کو وہ مرکز حاصل ہوتا ہے جس کے گرد وہ اکنافِ عالم سے آکر جمع ہوتے ہیں۔ یہ ان کے لئے (ایک دوسرے سے) ملنے جلنے، تعارف حاصل کرنے، مبادلۂ خیالات اور مقابلۂ تجربات کرنے اور عام فلاح و بہبود کے لئے اپنی سعی و کوشش کو متحد کرنے

کا ایک سالانہ موقع بہم پہنچاتا ہے۔ بعدِ مکان یہاں دور ہو جاتا ہے۔ فرقہ دارانہ اختلاف نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس ایمانی برادری میں جو مسلمانوں کو ایک اخوتِ عظیمہ کی شکل میں متحد کرتی ہے اور اپنی شاندار میراث سے مطلع کرتی ہے، نسل اور رنگ کے تفرقے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

جب مذہبی فرائض ختم ہو جاتے ہیں تو ہر ملک کے تاجر تجارت کے معاملات پر گفتگو کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں۔ فقہاء اور علماء دین اور مسائل فقہ پر، سائنس داں سائنس کی نئی ترقیوں پر، ادیب ادبیات پر، مہاجن لوگ مالیات پر اور ماہرینِ سیاست قومی اور بین الاقوامی سیاست پر بحث و تمحیص کرتے ہیں۔ حج کی رسم مسلمانوں کے لئے محض ایک مقدس فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ مجلسِ اقوام، بین الاقوامی ادارہٴ علوم و فنون، اور بین الاقوامی ایوانِ تجارت بھی ہے۔“

مندرجہ بالا سطور میں حج کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ دراصل حضرت علی علیہ السلام کے اس

خطبہ کی شرح ہے -

و فرض علیکم حج بیتہ الحرام خدا نے تم پر اپنے محترم گھر
الذی جعلہ قبلۃً للانعام یردونه کا حج فرض کر دیا، وہ گھر
ورود الانعام ویاء لہون الیہ ولوہ جس کو اس نے لوگوں کے
الحمام جعلہ سبحانہ علامۃ لئے قبلہ قرار دیا ہے، وہ وہاں
لتواضعہم لعظمتہ واذعانہم اس طرح وارد ہوتے ہیں
لعزتہ واختار من خلقہ سماعاً جیسے چوپائے (گھاٹ پر)،
اجابوا الیہ دعوتہ و صدقوا اور اس ذوق و شوق سے اس
کلمتہ ووقفوا مواقف انبیائہ پر ٹوٹتے ہیں جیسے جنگلی
وتشبهوا بملائکۃ المطیفین کبوتروں کی (ٹکڑی غلے پر)
بعرشہ یحززون الارباح فی اس حج کو خدا نے بندوں
متجر عبادتہ ویتبادروں عند کی اس تواضع کا نشان اور
موعد مغفرۃ، جعلہ سبحانہ اس یقین کی علامت قرار
وتعالیٰ للاسلام علماً، وللعائذین دیا ہے جو اس کی عظمت
حرماً، فرض حجہ و اوجب اور عزت کے لئے ان کے
حقہ وکتب علیکم وفادتہ دل میں ہے، اس نے اپنی
فقال سبحانہ واللہ علی الناس مخلوق میں سے اپنی (آواز)

حج الیت من استطاع الیہ سنتے والے چن لئے، ان لوگوں
سیلا ومن کفر فان الله غنی نے اس کی دعوت پر لیک
عن العالمین^۵ (نہج البلاغہ) کہا اور اس کے قول کی
تصدیق کی، اور ان مقامات پر کھڑے ہوئے جہاں اس کے
انبیاء کھڑے ہوئے تھے، اور (نظم و ترتیب کے لحاظ سے)
ان فرشتوں سے ملتے جلتے نظر آئے جو عرش الہی کا طواف
کرتے ہیں، یہ لوگ تجارت گاہِ عبادت میں نفع جمع کر رہے
ہیں۔ اور اس کی وعدہ گاہِ مغفرت کے لئے جلد جلد آگے بڑھ
رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس گھر کو اسلام کی نشانی اور
پناہ لینے والوں کے لئے جائے امن قرار دیا ہے۔ اس نے وہاں
حج بجالانا فرض کیا، اور اس کے حق کو واجب کر دیا
اور اس کی زیارت لازمی قرار دیدی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
”خدا کی طرف سے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج واجب
ہے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ جو شخص
حج سے انکار کرے تو (یاد رکھے) کہ خدا سارے جہاں
سے بے پروا ہے۔“

جہاد



اللہ اللہ جہاد کے متعلق دنیا کس قدر غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ جہاں یہ لفظ منہ سے نکلا نیزے، تلواریں، ہتیار بند سپاہی، تڑپتی ہوئی لاشیں اور خون کے بہتے ہوئے دریا نظر کے سامنے آنے لگے۔ کیا یہی جہاد ہے؟ صادق آل محمد نے جہاد کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ جن میں سے دو فرض ہیں (۱) انسان کا اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا۔ یہ جہاد اکبر ہے۔ (۲) جو کفار

(۱) علی بن ابراہیم عن ابیہ وعلی بن محمد القاسانی جمیعا عن القسم بن محمد عن سلیمان بن داؤد المنقری عن فضیل بن عیاض قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الجہاد سنۃ ام فریضۃ فقال الجہاد علی اربعۃ اوجہم فجہادان فرض وجہاد سنۃ لا یتقام الا مع فرض وجہاد سنۃ فاما احد الفرضین فمجاہدۃ الرجل نفسه عن معاصی اللہ عزوجل وهو من اعظم الجہاد ومجاہدۃ الذین یلونکم من الکفار فرض واما الجہاد الذی سنۃ لا یتقام الا مع فرض فان مجاہدۃ العدو فرض علی جمیع الامۃ ولو ترکوا الجہاد لاتاہم العذاب وهذا هو من عذاب الامۃ فهو سنۃ علی الامام وحده ان یأتی العدو مع الامۃ فیجاہدہم واما الجہاد الذی هو سنۃ فمکل سنۃ اقامہ الرجل وجاہد فی اقامتہا وبلوغہا واحیائها فالعمل والسعی فیہا من افضل الاعمال لانہا احیاء سنۃ

(مروع کافی کتاب الجہاد)

مسلمانوں پر حملہ آور ہوں ان سے مدافعانہ جنگ کرنا۔ اگر دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر مسلمان دفاع سے گریز کریں تو تنہا امام پر سنت ہے کہ مسلمانوں کی معیت میں دشمن سے لڑے۔ کسی مٹی ہوئی سنت کو دوبارہ جاری کرنا بہترین اعمال ہے اور یہ بھی جہادِ سنت ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے :: کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا نے مسلمانوں کو کسی جنگ پر روانہ کیا۔ جب وہ وہاں سے پلٹے تو فرمایا اس گروہ کا آنا مبارک ہو جو چھوٹے جہاد سے فارغ ہوا، اور جہادِ اکبر ابھی باقی ہے۔ کسی نے دریافت کیا ”اے خدا کے رسول جہادِ اکبر کیا ہے؟“ فرمایا ”جہادِ نفس“۔

اصل میں غلط فہمی کا باعث یہ ہے کہ لوگوں نے جہاد و قتال کو ہم معنی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ جہاد کے معنی

:: علی بن ابراہیم عن ایہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ بعث بسرۃ فلما رجعوا قال مرحبا بکم فمضوا الجہاد الا صغر وبقی الجہاد الا کبر قیل یا رسول اللہ وما الجہاد الا کبر قال جہاد النفس (کافی کتاب الجہاد)

جدو جہد اور محنت و کوشش کرنے کے ہیں۔

اسلام جس وقت دنیا میں آیا تو اولادِ آدم دو گروہوں میں تقسیم نظر آتی تھی۔ ایک وہ جو دنیا دار کہلاتے تھے اور تنازع للبقا کی جدو جہد میں مردانہ وار حصہ لیتے تھے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ دین داروں کا تھا جو خانقاہوں، غاروں، اور کلیساؤں میں بے عملی کی زندگی گزارنے کو باعثِ نجات، اور ہاتھ پاؤں ہلا کر کاٹنے کا کہا نے کو گناہ و معصیت سمجھتا تھا۔ اسلام نے آکر سست اور گوشہ گیر راہبوں کو بتایا کہ دین بے عملی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ سرتاپا مجادلہ و مقابلہ ہے۔

لا یستوی القاعدون من	ایمان والوں میں سے وہ جن کو
المؤمنین غیر اولی الضرر	کوئی جسمانی معذوری نہ ہو
والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالہم	اور پھر (گھر میں ہاتھ پر
وانفسہم ط فضل اللہ المجاہدین	ہاتھ رکھے) بیٹھے رہیں اور
باموالہم وانفسہم علی القاعدین	وہ جو خدا کی راہ میں اپنی
درجۃ ط وکلا وعد اللہ الحسنی ط	جان و مال سے جہاد کر رہے
وفضل اللہ المجاہدین علی	ہوں برابر نہیں، اللہ نے اپنی

القاعدین اجرًا عظیمًا ۵ جان و مال سے جہاد کرنے

(نساء: ۹۵) والوں کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر

درجہ کے اعتبار سے فضیلت عطا کی ہے۔ اور ہر ایک سے خدا نے

بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھ رہنے

والوں پر بڑے اجر کی فضیلت بخشی ہے۔

اللہ نے مومن کی نشانی ہی یہ بتائی ہے کہ وہ جان و مال

سے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

انما المومنون الذین امنوا باللہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور

ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاہدوا اس کے رسول پر ایمان لائے

باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ ط اور پھر اس میں شک و شبہ نہ

(حجرات: ۱۵) کیا اور اپنے مال و جان سے

راہ خدا میں جہاد کیا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں، خدا ان

پر ترقی کی نئی راہیں کھولتا رہتا ہے۔

والذین جاہدوا فینا لنہدینہم اور جو ہماری راہ میں جدوجہد

سبلنا ط (عنکبوت: ۶۹) جہد کرتے ہیں ہم ان کے لئے

اپنے اور راستے بھی کھولتے رہتے ہیں۔

یشک حق کی حمایت میں قتال بھی جہاد ہے۔ اور محمد
و آل محمد نے اکثر حفظِ جان و حفاظتِ ایمان کے لئے جنگ کی
ہے۔ مگر جیسا کہ اس کتاب میں بار بار بیان ہوا ہے ان کی
جنگیں خواہ مخواہ تسخیرِ ممالک اور لوٹ مار کے لئے نہ تھیں۔
”حفاظتِ نفس“، کائنات کا ازلی و ابدی قانون ہے۔ اور اس
پر عمل کرنا عین مطابقِ فطرت ہے۔ اسلام اگر دفاع کے لئے
بھی جنگ کی اجازت نہ دیتا تو وہ دینِ فطرت کہلانے کا
مستحق نہ ٹھیرتا۔

یہ اسلامی تخیل کی بلندی ہے کہ وہ مظلوموں کی مدافعتانہ
جنگ کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔

فالذین هاجروا و اخرجوا پھر جنہوں نے اپنا (گھر بار
من دیارہم و اودوا فی سبیل چھوڑ کر) ہجرت کی، اور
وقاتلوا وقتلوا لا کفرن عنہم اور اپنے دیار سے نکالے گئے،
سیاتہم ولا دخلنہم جنات اور میری راہ میں ستائے گئے؛
(آل عمران : ۱۹۵) اور انہوں نے قتال کیا اور

قتل ہوئے، تو میں ان کے گناہوں کو عفو کردوں گا اور ان
کو بہشت میں داخل کروں گا۔

مسلمانوں کی جارحانہ لڑائیوں کے متعلق

آل محمد کی رائے

مسلمان بادشاہوں نے عربی تمدن اور سلطنت کو پھیلانے کے لئے جو لڑائیاں لڑیں آل محمد نے ان میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ وہ ایک کو دوسرے کا غلام بنانے میں مدد دے۔

بنی امیہ کے دور میں جب مسلمانوں کی حکومت کا سیلاب ایشیا اور افریقہ سے گذر کر ممالک یورپ تک پہنچ چکا تھا، جب مفتوحہ ممالک کی دولت سمٹ سمٹ کر عربوں کے گھر میں آ رہی تھی، جب ہر وہ شخص جو ہاتھ میں تلوار رکھتا تھا کسی نہ کسی علاقہ کا والی، کسی نہ کسی فوج کا افسر بننے اور اتنی دولت جمع کرنے کا آرزو مند رہتا تھا جو اس کی پشتوں کی کفایت کر سکے، ایک :: شخص نے امام زین العابدین

:: علی بن ابراہیم عن ایہ بن عثمان بن عیسیٰ عن سماعہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام

قال لقی عباد البصری علی بن الحسین علیہ السلام فی طریق المسکة فقال له یا علی بن الحسین

(آئندہ صفحہ پر)

علیہ السلام کو طعنہ دیا کہ آپ حج تو برابر کرتے ہیں کہ وہ ایک آسان مشغلہ ہے مگر جہاد کی شدت سے گھبرا کر اس میں حصہ نہیں لیتے، حالانکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے :-

ان الله اشترى من المؤمنين
انفسهم واموالهم بان لهم الجنة ط
ان کے جان و مال جنت کے
یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون
بدلے میں خرید کر لے ہیں
ویقتلون ق وعداً علیہ حقا
وہ اللہ کی راہ میں مقاتلہ کرتے
فی التوراة والانجیل والقران ط
ہیں۔ مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔
ومن اوفی بعہدہ من اللہ فاستبشروا
یہ وہ وعدہ ہے جو توریت،

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ)

ترکت الجہاد وصعوبتہ واقبلت علی الحج ولینۃ ان اللہ عزوجل یقول ان اللہ اشترى من المؤمنين
انفسهم واموالهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون وعداً علیہ حقا فی التوراة
والانجیل والقران، ومن اوفی بعہدہ من اللہ فاستبشروا بیعکم الذی با یعتم بہ و ذالک ہوا الفوز العظیم
فقال لہ علی ابن الحسین صلوۃ اللہ علیہما اتم الایۃ فقال التائبون العابدون الحامدون السائحون
الراکعون الساجدون الامرین بالمعروف والنہا عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر
المومنین فقال علی بن الحسین صلوۃ اللہ علیہما اذ رائتہما ہولاء الذین ہذہ صفتہم فالجہاد افضل

(کافی کتاب الجہاد)

معمہم من الحج

بیعکم الذی بايعتم به ط وذلک انجیل اور قران میں اس نے
 ہوا الفوز العظیم^۵ اپنے اوپر عائد کیا ہے۔ اور اللہ
 سے زیادہ عہد کا وفا کرنے والا اور کون ہوگا۔ پس اس سودے
 پر جو تم نے کیا ہے ممکن رہو کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔
 حضرت امام نے فرمایا کہ ذرا اس آیت کو پورا تو پڑھئے۔
 اس نے پڑھنا شروع کیا:۔

التائبون العابدون الحامدون یہ وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے
 السائحون الراكعون الساجدون والے، عبادت گزار، حمد و ثنا
 الامرون بالمعروف والناہون کرنے والے، روزہ دار، (یا راہ
 عن المنکر والحافظون لحدود اللہ ط خدا میں سفر کرنے والے)، رکوع
 وبشر المومنین^۵ وسجود بجالانے والے، نیک
 کاموں کا حکم دینے والے۔ برے کاموں سے روکنے والے اور
 اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ایسے
 ہی مومنین کو بشارت دو۔

حضرت نے فرمایا جب ان صفات کے لوگوں کو ہم جہاد
 کرتا ہوا پائینگے تو یقیناً ان کے ساتھ شامل ہوں گے، کہ اس
 وقت جہاد کرنا حج سے بہتر ہوگا۔

غور کیجئے اور حضرت کے ارشاد کا لطف اٹھائیے کہ
آپ نے کس خوبصورتی سے اس عہد کی حکومت اور اس
کے کارپردازوں کے حالات پر روشنی ڈالی ہے؛ اور اس طرح
ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہر وہ سپاہی جو لوٹ مار اور قتل و غارت
کے لئے کسی ملک پر جا چڑھے مجاہد فی سبیل اللہ نہیں بن جاتا۔

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

کیونکہ خدا کے نزدیک فتح و ظفر کے بعد مسلمان کا فرض
لوٹ مار کے بجائے آئین اسلام کا پھیلانا، بری باتوں کا استیصال
اور اچھی باتوں کو رواج دینا ہے۔

الذین ان مکنہم فی الارض وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین
اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ پر قبضہ دے دیں تو وہ نماز کو
وامروا بالمعروف ونہوا عن قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں،
المنکر المنکر (حج: ۴۱) اچھی باتوں کا حکم دیں اور
بری باتوں سے روکیں۔

آدابِ جہاد

ذیل میں حضرت علی علیہ السلام کے دو حکم پڑھئے اور

اندازہ لگائیے کہ جہاد بالسیف میں دفاعی حدود کا کس قدر پاس و لحاظ، اور بلا ضرورت خور ریزی سے کس حد تک اجتناب کیا جاتا تھا۔

۱۔ لا تقاتلواہم حتی یدؤکم جب تک وہ خود (جنگ کی فانکم بحمد اللہ علی حجة و ترککم ابتداء) نہ کریں ان سے نہ لڑو، ایاہم حتی یدؤکم حجة اخرى کیونکہ ایک حجت پر تو تم لکم علیہم فاذا کانت الہزیمۃ (پہلے ہی سے) قائم ہو، اب باذن اللہ فلا تقتلوا مدبراً ولا ان کی طرف سے چھیڑ شروع تصیو اموراً ولا تجهزوا علی ہونے تک جو ان کو اپنے جریح ولا تہجوا النساء باذی حال پر جھوڑ دو گے تو دوسری و ان شتمن اعراضکم و سبین حجت بھی تمہارے ہاتھ امراء کم فانہن ضعیفات القوی آجائے گی: اور جب خدا کے والانفس والعقول انا کنا لتؤمر حکم سے وہ شکست کھا جائیں بالكف عنہن وانہن لمشرکات تو کسی بھاگنے والے کو قتل (نہج البلاغہ) نہ کرنا، جو اپنی جان

بچانے سے عاجز ہو اس پر ٹوٹ نہ پڑنا، زخمی کو ہلاک نہ کرنا اور عورتوں کو ایذا پہنچا کر ہیجان میں نہ لانا، اگرچہ وہ

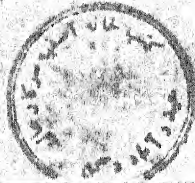
تم کو برا بھلا کہیں اور تمہارے سرداروں کو گالیاں ہی کیوں نہ دیں۔
 بات یہ ہے کہ وہ ضعیف القوی، ضعیف النفس اور ضعیف العقل
 ہوتی ہیں۔ (رسول اللہ نے اپنے زمانے میں) ہم کو حکم دیا تھا
 کہ ہم عورتوں سے کچھ تعرض نہ کریں، حالانکہ وہ عورتیں
 مشرکہ تھیں۔

۲۔ اتق الله الذی لا بد لك من اس خدا سے ڈرو جس سے
 لقائه ولا منتهی لك دونہ ایک دن تم کو ضرور ملنا ہے؛
 ولا تقاتلن الا من قاتلك و اور جس کے سوا تمہارے
 سراالبردين و غور بالناس لئے کوئی منتہا نہیں ہے۔
 ورفه بالسير ولا تسراول الليل اور جنگ و جدل نہ کرو مگر
 فان الله جعله سكنا و قدرہ اس شخص سے جو تم سے
 مقاما لا ظعننا فارح فيه بدنك جنگ و جدل کرے۔ صبح
 وروح ظهرك فاذا وقفت حين وشام سفر کرو کہ یہ دونوں
 ينبطح السحرا وحين ينفجر الفجر خنکی کے وقت ہیں اور دوپہر
 فسر على بركة الله فاذا لقيت کے وقت لوگوں کو ٹھہرا دیا
 العدو فقف من اصحابك کرو۔ چلنے میں آرام و آسائش کا
 وسطا ولا تدن من القوم دنو خیال رکھا کرو۔ اول شب سفر

من یرید ان ینشب الحرب نہ کرو کہ خدا نے اس کو
ولا تباعد منهم تباعدہ من سکون و قیام کا وقت بنایا ہے،
یہاب الناس حتی یاتیک امری نہ کہ سفر کا۔ پس رات کے
ولا یحملنکم شأنکم علی قتالہم وقت تم اپنے بدن اور اپنے
قبل دعائہم والاعذار الیہم اونٹوں کو راحت دو۔ پھر جب
(نہج البلاغہ) ظہورِ سحر یا طلوعِ فجر

ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور خدا کی برکت کے ساتھ چلنا شروع
کردو۔ جب دشمن کی فوج کے قریب پہنچو تو اپنے ساتھیوں کے
درمیان ٹھہرو۔ غنیم کی فوج کے بالکل قریب نہ ہو جانا کہ یہ
طریقہ اس کا ہے جو خود جنگ کو بھڑکانا چاہتا ہے، اور نہ
بہت زیادہ دور ہی رہنا کہ یہ طریقہ اس کا ہے جو لوگوں سے
ڈرتا ہے۔ (اسی حالت میں رہنا) یہاں تک کہ میرا حکم
تمہارے پاس پہنچے۔ دیکھنا ایسا نہ ہو کہ حق کی طرف دعوت
دینے اور عذر و حجت تمام کر لینے سے پہلے بغض و عداوت
تم کو ان سے لڑنے پر آمادہ کر دے۔

تمت بالخیر



اعلان حسب ذیل کتب

مصنف

علامہ سید ابن حسن صاحب تہذیب و فنی جاوچی

ہمارے یہاں سے مل سکتی ہیں ۔

- (۱) مقدمہ فلسفہ آل محمد ۔ آل محمد کی تعلیمات پر تفصیلی تبصرہ ، مسلمان بادشاہوں اور آئمہ اہلیت کے طرزِ عمل کا فرق ۔ ہدیہ غیر مجلد (ایک روپیہ آٹھ آنہ) مجلد (دو روپیہ)
- (۲) فلسفہ آل محمد جلد اول ہدیہ (دس آنہ)
- (۳) فلسفہ آل محمد جلد دوم ہدیہ (ایک روپیہ چار آنہ)
- (۴) نظامِ حکومت اسلامی ۔ حضرت علی علیہ السلام کے ایک مشہور خطبہ کا ترجمہ جس میں آپ نے جہانبانی اور حکمرانی کے آئین کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ ہدیہ (چھ آنہ)
- (۵) اصولِ دین ۔ اصولِ دین کا فلسفیانہ بیان (پانچ آنہ)
- (۶) فروعِ دین ۔ فروعِ دین کے سیاسی ، تمدنی اور اخلاقی پہلو پر حکیمانہ نظر ۔ ہدیہ (چار آنہ)

امیریہ دارالتصنیف و التالیف محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ